# قدرتی مثالوں کی حکمت

خدا کی تمام مثالیں اور دانائیاں جو وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کھولتا ہے، ہمیشہ عام اور قدرتی مظاہر سے تعلق رکھتی ہیں تا کہ زمین کی ہر مخلوق ان کی تصدیق کر سکے اور ان سے دانائی حاصل کر سکے۔ وہ ایسے تغیرات وحوادث اور غیر فطری وصناعی چیزوں کا ذکر نہیں کرتے جن کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے کسی خاص طرح کی زندگی، خاص طرح کے علم اور خاص طرح کے گرد وپیش کی ضرورت ہو، بلکہ اس کی ہر تعلیم ایسی عام اور خالص فطری حالات سے متعلق ہوتی ہے، جس کو سن کر جنگل کا ایک چرواہا اور متمدن آبادیوں کا فیلسوف دونوں یکساں اثر کے ساتھ خدا کی سچائی کو پا سکتے ہیں۔ پس اگر تم نے فلسفہ وحکمت نہیں پڑھا، اگر تم نے اجرام سماویہ کے دیکھنے کے لیے کسی رصد خانے کی قیمتی دوربین نہیں پائی، اگر تم کو مادہ کے خواص کا تجربہ نہیں، اگر تم کسی دارالعلوم کے اندر برسوں تک نہیں رہے، اگر تم صحرائی ہو، اگر تم پہاڑوں کی چوٹیوں پر گوشہ نشین ہو، اگر پھونس کی ایک چھت اور بانسوں کی ایک شکستہ دیوار ہی رہنے اور بسنے کے لیے تمہارے حصے میں آئی ہے اور اس طرح تم نہیں جانتے کہ اپنے خدا کو آسمان کے عجیب وغریب ستاروں کے اندر کیوں کر دیکھو اور اس کے حسن وجمال کو عناصر وذرات خلقت کی آمیزش وآویزش کے اندر کیوں کر ڈھونڈھو، تاہم تم انسان ہو، تم کو روح دی گئی ہے اور تم زمین پر بستے ہو، تم آسمان کی ہر بدلی کے اندر، بادلوں کے ہر ٹکڑے کے اندر، ہواؤں کے ہر جھونکے کے اندر، باران رحمت کے ہر قطرے کے اندر، اپنے خداوند حیّ وقیوم کو، اس کی حکمت وقدرت کو، اس کی رافت ورحمت کو، اس کے پیار اور محبت کو دیکھ سکتے ہو اور اسے پا سکتے ہو۔ تم میں سے کون ہے جس نے امید وبیم کی نظروں سے کبھی آسمان کو نہیں دیکھا اور اس کی بجلیوں کی چمک اور بادلوں کی گرج کے اندر اپنی کھوئی ہوئی امید کو نہیں ڈھونڈا؟

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ (روم: ٢٤) اور قدرت الٰہی کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب زمین پیاسی ہوتی ہے اور خشک سالی کے آثار ہر طرف چھا جاتے ہیں تو وہ آسمان پر بارش کی علامتیں پیدا کر دیتا ہے اور تم امید وبیم کی نظروں سے انہیں دیکھتے ہو۔

(رسول رحمت: ص۷۳۴-۷۳۵، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ)

درس حدیث

# جی کا جنجال نہ بنائیں

محمد اظہر مدنی

”عن أبی هریر ة رضی اللـه عنـه أن رسـول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا یتمن احدکم الموت، اما محسنا فلعله یزداد، واما مسیئا فلعله یستعتب“. (اخرجه البخاری،٧/١٢١–رقم:٥٦٧١،کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت ومسلم،کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب کراهیة تمنی الموت لضر نزل به۔ (٢٠٦٤/٤– رقم٢٦٨٠)

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ: ”تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ وہ اگر نیک ہوگا تو امید ہے کہ اس کے اعمال میں اضافہ ہوجائے گا اور اگر وہ برا ہے تو ممکن ہے کہ وہ توبہ ہی کرلے۔

**تشریح:** جسم انسانی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس لیے اس کے اعضاء کو چھیڑ چھاڑ کرنا منع ہے یہاں تک کہ ناخون اور بال کے متعلق بھی خصوصی ہدایات موجود ہیں جن کی روشنی میں اس کو کاٹ چھانٹ کیا چھوڑا جاسکتا ہے،بغیر کسی شرعی عذر کے کسی بھی عضو میں تصرف نہیں کرسکتے۔اسی لیے اسلام میں خودکشی کو حرام ٹھہرایا گیا ہے اور ایسے کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے وعید شدید ہے۔مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی بھی انسان اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ جب تک چاہے زندہ رہے اور پھر جب وہ زندگی سے تنگ اور مایوس ہوجائے تو موت کو گلے لگالے۔ بلکہ موت کی تمنا وآرزو کرنے سے بھی شریعت اسلامیہ نے منع کیا ہے اور موت کسی انسان کے چاہنے سے آنہیں سکتی ہے اور نہ چاہنے سے رک نہیں سکتی ہے۔ بلکہ موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی رستگاری نہیں ہے۔موت کا مزہ ہر نفس وذی روح کو چکھنا ہے۔اب کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم اس مزہ کو میٹھا بنائیں نہ کہ کڑوا۔جولوگ موت کی تمنا کرتے ہیں۔درحقیقت ان کا یہ عمل بزدلانہ ہوتا ہے وہ وقت اور حالات کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے ہیں یا اپنی بزدلانہ، کسل مندانہ،ضعف نفس کا مظاہرہ اور مصائب پر صبر نہ کرکے موت کو دعوت دینے لگتے ہیں۔جب کہ انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ کہیں موت کی آرزو وتمنا کرنا ان کے جی کا جنجال نہ بن جائے اور بعید نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے جب بھی کسی نے اسلامی تعلیمات کی مخالفت کرتے ہوئے سرخروئی حاصل کرنے کی کوشش کی یا راہ فرار اختیار کیا تو اس کا وہ عمل جنجال ثابت ہوا۔ یہاں ایک انسان موت کی تمنا کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا ہے۔اللہ کی رحمت سے ناامید ہے اور انسانی زندگی پر آنے والے مصائب وتکالیف وشدائد کو اپنے لیے عذاب سمجھتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو مصیبت بھی کسی مسلمان کو پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہ کا کفارہ کردیتا ہے۔کسی مسلمان کو ایک کانٹا بھی اگر جسم کے کسی حصہ میں چبھ جائے تو وہ بھی اس شخص کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور واقعہ جب قرآن کریم کی یہ آیت ”مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِه“ (النساء:١٢٣) نازل ہوئی تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اب تو عذاب سے بچنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اور تمہاری بخشش کرے۔کیا تجھ پر بیماری نہیں آتی، تکلیف نہیں آتی، رنج وغم اور مصیبت نہیں آتی ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس یہی بدلہ ہے۔اگر بندہ مومن کا ایمان پختہ ہو، اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد ہو تو وہ دنیا کی ابتلاء وآزمائش سے گھبرا کر کبھی موت کی تمنا نہیں کرسکتا ہے۔انسان کبھی بلا وبیماری سے جھوجھتا ہے تو کبھی فقرہ وفاقہ اور مفلسی کا شکار ہوجاتا ہے تو کبھی غربت کی یلغار ہوتی ہے تو کبھی خوف ودہشت اس پر ٹوٹ پڑتی ہے۔کبھی ہلاکت وبربادی ستاتی ہے تو کبھی سماج ومعاشرہ کے کفروعصیان اسے چین وسکون سے جینے نہیں دیتے۔غرض یہ کہ ان تمام سنگین صورتحال پر اپنا احتساب کرتے ہوئے اسے رجوع الی اللہ اور توبہ واستغفار جیسے اہم وظائف کا سہارا لینا چاہیے اور اللہ کی ذات پر توکل واعتماد اسی طرح کرنا چاہیے جس طرح کرنے کا حکم ہے۔چونکہ وہ انسان جو موت کی تمنا اس نیت سے کرتا ہے کہ وہ اس دنیا کے جنجال سے اپنے آپ کو بچالے لیکن اسے پتا نہیں کہ موت کے بعد آنے والی زندگی میں اس کا کیا حشر ہوگا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ زندگی کے جس جنجال سے نکل کر اپنے آپ کو ایک پرسکون فضاء کے حوالے کرنا چاہ رہا تھا وہی زندگی اب اس کے جی کا جنجال بن گیا۔برزخ کی زندگی، قبر کا عذاب، آخرت کا حساب وکتاب، یہ چیزیں اس کے لیے گلے کی ہڈی بن گئیں اور زندگی جس کے ذریعہ انسان اپنی آخرت سنوارتا ہے اس کا دروازہ اپنے ہاتھوں بند کردیا۔اب نہ حسنات میں اضافہ ہوسکتا ہے۔اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی بھی شخص اپنی موت کی تمنا ہرگز نہ کرے، کیوں کہ وہ زندگی کو ختم کرنے میں اپنی عافیت اور بھلائی سمجھ رہا ہے وہی زندگی اسے سرخرو کرے گی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے فرمایا: اگر وہ نیک ہے تو اس کے اعمال میں (اس زندگی کے ذریعہ) اضافہ ہوگا اور اگر وہ برا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔اور اگر کوئی شخص موت کی تمنا کرنا ہی چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دنیا وآخرت کی بھلائی کے ساتھ بہترین موت کی دعاء کرے اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا پڑھے۔”اللهم احینی ما کانت الحیاة خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاة خیرا لی“ (بخاری:٥٦٧١) اے اللہ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھے موت دے دے۔

انسانی زندگی پریشانیوں سے عبارت ہے۔اس لیے صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ کی زندگی، انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے واقعات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کانٹوں بھری حیات جاودانی کو پڑھیں اور سید الاولین والآخرین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین کی آخری گھڑی کی پریشانیوں کو نہ بھولیں جس کو مائی عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے مرض الموت کی تکلیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کسی میں نہیں دیکھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید بخار کی وجہ سے بار بار بے ہوش ہوجاتے اور جب ہوش آتا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے۔”اللهم الحقنی بالرفیق الاعلیٰ“۔اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ رب العالمین ہم لوگوں سے راضی ہوجا اور جب تک زندہ رکھ ایمان پر، صحیح اسلامی عقیدہ پر باقی رکھ اور خاتمہ ہو تو خاتمہ بالخیر ہو۔وصلی اللہ علی النبی وسلم تسلیما کثیرا ☆☆

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی     مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

## اس شمارے میں

درس حدیث ۲
اداریہ ۳
مسلم نوجوانوں کے نام درد بھرا پیغام ۸
عظمت رفتہ کی بازیابی ۱۲
صحبت صالح ترا صالح کند ۱۶
ملکہ عفاف حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا... ۲۰
استاذ محترم حافظ قاری مولانا عبداللہ فیضی کا سانحہ ارتحال ۲۷
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز ۳۱
جماعتی خبریں ۳۱
ایک اعلیٰ سطحی وفد مختلف صوبوں کے دورے پر ۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک
سالانہ ـــــــــ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ـــــــــ ۷/روپے
پاکستان ـــــــــ ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ و دیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

# حکام عدل وانصاف اور عوام سمع وطاعت کے مکلف ہیں

اللہ رب العزت والجلال نے باغ عالم کو بڑے ڈھب سے سجایا ہے اور اپنی بے شمار مخلوقات کو بڑے مستحکم نظام اور مضبوط وبہترین تدبیر سے آراستہ کر رکھا ہے۔ بظاہر مخالف ومتضاد مخلوقات اور اشیاء کے درمیان ایسا نظم وضبط قائم کر رکھا ہے کہ اس سے جہان رنگ وبو میں بوقلمونی، رنگارنگی اور باغ وبہار کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ عرصہائے دراز سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے اور ابد تک تا آنکہ اس سے بھی مضبوط ومربوط اور ازلی وہمیشگی والا نظام برپا نہ ہوجائے چلتا رہے گا۔ ”اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ “۔ (مریم: ۴۰) ”خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری طرف لوٹا کر لائے جائیں گے“۔

اللہ جل شانہ نے آسمان وزمین کی تخلیق کی اور ان کے درمیان انسان کو خلیفہ فی الارض کی خلعت اور مسئولیت سے شاد کام فرمایا۔ ساتھ ہی پتا بتا اور جتا دیا کہ دیکھو! تم کو ایک نظام کے تحت رہنا ہے اور مل جل کر اس پر چلنا ہے تاکہ کوئی راہزن تمہیں لوٹ نہ لے اور تم لٹ پٹ کر غموں کے سمندر میں غوطہ زن نہ ہوجاؤ۔ ”فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ“ (البقرہ: ۳۸) ”جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں“۔

ہمارے جد امجد فخر بنی نوع انساں حضرت آدم علیہ الصلوۃ والتسلیم پوری آراستگی وآسائش اور کشائش سے لبریز جنت جہاں نہ دوزخ کا کھٹکا، نہ دنیا کا جھٹکا تھا، میں رہنے کے باوجود صرف ایک نظام کے ادنی حصے کے سلسلے میں غفلت یا سہو بلکہ نسیان و وسوسہ کا شکار ہوکر غم واندوہ کی وادی میں پڑ گئے ”فَنَسِيَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا“ (طہ: ۱۱۵) ”لیکن وہ (آدم علیہ السلام) بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا“ اور دنیا جہاں کی نہیں بلکہ ان کو ملی ہوئی جنت ابدی اور اس کی ساری نعمتیں چھن گئیں اور اس سے بہت دور آسمان کی بلندی سے زمین کی پستی کی طرف دھکیل دیئے گئے۔ ہبوط ونزول کا یہ کربناک اور خطرناک منظر دراصل انسانی زندگی کا وہ حصہ ہے جس نے رہتی دنیا تک کے لیے تمام بنی نوع انسان کو چوکنا کر دیا اور نظام وقانون اور ضابطہ کو برتنے اور اس کے برکات اور ثمرات کا اہل بنے رہنے کا نسخہ کیمیا بھی عطا فرما دیا۔ گویا حضرت انسان کے لیے یہ ایک حادثۂ فاجعہ ہی نہیں تھا بلکہ اس نے سنبھلنے، ہر موڑ پر چوکنا رہنے اور ہمیشہ سرخرو وکامیاب رہنے کا گر بتا دیا اور وہ پورے سیانا پن سے اس خارزار اور کانٹوں بھری دنیا کو برت لے جانے کا طریقہ وسلیقہ عطا کر گیا۔ اور

یہ تو سب جانتے ہیں کہ

سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد

دراصل شاعر نے کسی مجبوری میں یہاں ''ٹھوکریں'' استعمال کردیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے سرخرو ہونے کے لیے ایک ہی ٹھوکر کافی ووافی ہے۔ جوٹھوکریں کھانے کا خوگر ہوجائے وہ پھر سدھر اور سنبھل جائے مشکل ہے۔ اس لیے اصرار علی المعاصی، ادمان علی الخمر اور عصیان علی الامر وہ ناقابل تلافی گناہ ہوتے ہیں جن کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا اور انسان ان کی وجہ سے توبہ واستغفار کی عظیم نعمت، مہلت اور چانس سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔ قوموں کی زندگی میں ایک ہی غلطی کا بار بار اور باصرار ارتکاب کرنا ان کو ذلت ورسوائی اور پسپائی کے عمیق غار میں دھکیل دیتا ہے۔

دراصل آدم علیہ الصلوۃ والتسلیم فداہ ابی وامی ابوالبشر تھے۔ اس وقت جب کہ وہ جنت میں تھے ممنوعات ومحظورات اور محرمات ومکروہات کا نام ونشان نہ تھا، وہاں ہٹو بچو کی بات تھی ہی نہیں بلکہ پورے سکون واطمینان کے ساتھ جنت کی بے شمار و بے مثال نعمتوں سے آزادانہ وپروانہ وار فیضیاب ہونے کا حکم تھا، بلا روک ٹوک ہر طرح کی فیسیلٹی اور فراوانی سے رہنے کا پروانہ ازلی ملا ہوا تھا۔ صرف ایک درخت کی طرف غلطی سے بھی قریب ہونے سے منع کردیا گیا تھا۔ اور آپ جانتے ہیں اشیائے مرغوبہ و لذیذہ کی کثرت وبھر مار کے باوجود نفس ممنوعہ شئی واحد کی طرف راغب ہونے کا مزاج رکھتا ہے کہ'' الذ شيء الى الانسان ما منع''۔

اور یہی ایک سہو ومیلان طبع بسبب وسوسہ قلب وجگر میں سمایا اور کھانے اور مزہ لینے کی نہیں صرف چکھ لینے کی پاداش میں جو کچھ ہوا اور جیسا کچھ ہوا اس انجام سے انسان انجان نہیں ہے۔ پھر ذرا غور کرو! اس دنیائے دنی اور جہانِ فانی میں جہاں ممنوعات ومحظورات اور مکروھات کی لمبی فہرست ہے، بلکہ آج کے زمانہ میں تو اسی کا دور دورہ اور چلن عام ہے، ہر طرح کی ممنوعات کی بھر مار ہے اور انسان لاکھ جتن کے باوجود دانستہ ونادانستہ اور قصدا یا سہوا اس کا مرتکب ہوجاتا ہے اور نفس امارہ ان کی طرف تواق وعشاق بن کر پل پڑنے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ ایسے میں غور کرو! تمہارے جد امجد نے ٹھوکر کھانے کے بعد کیسی سرخروئی دکھائی کہ یہاں ہزار ہا ممنوعات ومحرمات اور مکروھات سے ایسے بچ نکلے کہ گویا اس کی طرف ایک نگاہ غلط انداز بھی دیکھنا تک گوارہ نہ کیا۔ اسے کہتے ہیں انسان اور یہ ہے خطاء ونسیان کا قضیہ جسے بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے بھی تو غلطی ہوئی تھی۔ لہٰذا ''الانسان مركب من الخطأ والنسيان''، ''کہ انسان خطا ونسیان کا پتلا ہے'' کا تقاضا یہ ہے کہ غلطیاں کرتے جاؤ اور معافی مانگتے جاؤ۔ اس سے بڑی بھول اور انسان کا اپنے آپ کے ساتھ دھوکہ اور کیا ہوگا؟! ایک غلطی پر اتنی بڑی سزا، اس قدر توبہ وانابت، آہ وزاری، تقویٰ شعاری اور قانون سے وفاداری کہ ہزاروں آزمائش کے ہوتے ہوئے بھی کسی ایک گناہ کا دنیا میں مرتکب نہ ہونا درحقیقت معصومیت انسانیت کی معراج ہے اور بندگی اور عبودیت میں کامل ترین مقام پر فائز ہونے کی دلیل ہے۔

اور عزم وحزم اسے ہی کہتے ہیں۔

اے کاش کہ انسان اسے گرہ سے باندھ لیتا کہ ہمارے جد امجد نے دھوکہ کھایا، اب ہم اس دھوکہ اور غرر نفس کے شکار ہرگز نہ ہوں گے۔ یہ عزم ہر انسان خصوصا صاحب ایمان کا ہونا ایمان کامل اور اولوالعزمی کی علامت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پر ندامت وانابت اور توبہ واستغفار کی ایسی کیفیت اور کمیت کہ شیطان حقیقت میں اصلی درماندگی، لاچاری اور دھتکار کا شکار ہوجائے اور پھر وہ کسی انسان کو بہکانے کی جرأت ہی نہ کرے کہ مبادا ذلیل ورسوا ہو۔ کیوں کہ شیطان کے لیے انسان کا خالص توبۂ و استغفار بے حد گراں بار اور باعث عار وشنار ہوتا ہے۔ لیکن یا حسرۃً علی العباد! صد افسوس کہ آج انسان گناہوں میں لت پت ہوکر بھی توبۂ واستغفار نہیں کرتا ہے اور اگر کیا بھی تو اتنا ناپائیدار کہ

رات بھر مئے پی اور صبح دم توبہ کرلی
رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی

منيت نفسک ضلة وأبحتها
طرق الرجاء وهن غير قواصد
تصل الذنوب الى الذنوب وترتجى
درج الجنان بها وفوز العابد
ونسيت ان الله اخرج آدما
منها الى الدنيا بذنب واحد

''تم نے اپنے نفس کو گمراہی کا آرزومند بنالیا ہے اور امید کے راستوں کو تم نے جائز کرلیا ہے جبکہ وہ راستے سیدھے نہیں ہیں۔

تم گناہوں پر گناہ کئے جارہے ہو اور جنت کے درجات پانے اور عابدوں کی سی کامیابی کی امید رکھتے ہو۔

یہ بھول گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے محض ایک گناہ کی وجہ سے نکال دیا۔''

پس اے انسان! اپنے رب اور اپنے آپ کو پہچان اور خلیفہ فی الارض کا حق جس طرح تیرے جد امجد ودادا جان نے ادا کیا تھا اسی طرح اس زمین پر تو بھی فرشتوں کو رشک کناں چھوڑ جا، شیطانوں کو حیران وپریشان کر جا اور یہی دنیا وآخرت میں تمہاری کامیابی وکامرانی اور سرخروئی کا اصل راز ہے۔

دنیاوی زندگی کو امن وضبط اور سسٹم کے ساتھ چلانے کے لیے کچھ رہنما اصول بنائے گئے ہیں۔ اس میں سب سے اہم، ضروری اور اچھا قانون قانون فطرت اور قانون الٰہی ہے جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اور حدیث شریف میں اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمادیا ہے۔ جس میں ادنی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ ''فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ'' (الروم: ٣٠) ''اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے،

اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے'' اور جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اشارہ فرما دیا تھا ''ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتی '' (موطا امام مالک) ''تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیزیں اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے''۔ لیکن مسلمانوں کی تقصیر، غفلت اور کوتاہی اور غیروں کی ہوشیاری اور تیز رفتاری کی وجہ سے دیگر نظامہائے عالم بھی اپنا لیے گئے اور انہی بنیادوں پر حکومتوں، ملکوں اور سلطنتوں کے قوانین و دساتیر ترتیب پائے۔ اس وقت عالم میں اکثر غیر اسلامی نظام زندگی، قوانین اور متعدد طرح کے دستور رائج ہیں اور ہر قوم اپنے یہاں اپنی اپنی پسند، سہولت اور کاوشوں کے مطابق اپنی کوشش بھر بہتر سے بہتر نظام اور قانون نافذ کئے ہوئے ہے۔ جن میں مغربی و مشرقی قوانین کے علاوہ بہت سے قدیم و جدید نظریات اور تجربات پر مبنی قوانین نافذ العمل ہیں۔ لیکن یہ تمام قوانین خواہ کتنے ہی ناقص اور غیر صالح کیوں نہ ہوں ان کی قوت نافذہ کا کردار امن وامان اور تعمیر وترقی کے لیے بے حد اہم ہے۔ حاکم وقت کی جانب سے بھی نفاذ کار کی تقویت بڑی اہم ہے اور رعایا کی طرف سے بھی اس کا نفاذ و پیروی اتنی ہی ضروری ہے۔ دراصل کسی بھی نظام کی کامیابی کا دارومدار اس کے ماننے والوں پر ہے۔ اگر نظام میں کمی اور نقص کے باوجود اسے برتنے والے ایمانداری و غیر جانبداری سے برتنے اور پیروی کرنے لگ جائیں تو امن وسلامتی اور حسن وخوبی کے ساتھ حکام وعوام دونوں تعمیر وترقی کی راہیں ہموار کر سکتے ہیں اور یہی قوموں اور حکومتوں کی راہ کی سب سے سنہری اور بہترین کڑی بلکہ اساس ہے۔ اسی لیے کامیاب حکومت اور خوشحال عوام کے لیے یہی تاکید کی گئی ہے کہ حاکم حتی الامکان رعیت کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہو۔ اس کی بہی خواہ و ہمدرد ہو، عدل وانصاف ہی اس کا وطیرہ ہو اور خلق اور عوام کی بہتری و بھلائی اس کا مطمح نظر ہو۔ ظلم وتعدی اور ہر طرح کی ناانصافی سے دامن کش رہے۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ''یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی '' (ص:۲۶) اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی اور وزیر حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ ''اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ '' (الاعرف: ۱۴۲) ''میرے بعد ان کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی حاکم کی امانت داری یوں بیان ہوئی ''قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ، اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ'' '' (یوسف:۵۵) ''(یوسف نے) کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں''۔

حاکم رشوت خور نہیں ہوتا۔ ملکہ سبا نے جب حضرت یوسف کو ہدیہ بھیج کر رشوت دینا چاہا تو انہوں نے فرمایا: ''قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِءَ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰکُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِھَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ '' (النمل:۳۶) ''پس جب قاصد حضرت سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے پس تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو''۔

حاکم بلا اجرت مخلصانہ طور پر رفاہ عامہ کا کام انجام دیتا ہے۔ جیسا کہ یاجوج ماجوج کی دہشت سے پریشان قوم کی پیش کش کے جواب میں ذوالقرنین نے فرمایا تھا: ''قَالَ مَا مَکَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ رَدْمًا. اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ، حَتّٰیٓ اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا، حَتّٰیٓ اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا، قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا. فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْھَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا '' (الکھف:۹۵-۹۷) ''اس نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں میرے پروردگار نے جو دے رکھا ہے وہی بہتر ہے، تم صرف قوت طاقت سے میری مدد کرو۔ میں تم میں اور ان میں مضبوط حجاب بنا دیتا ہوں۔ مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار برابر کر دی تو حکم دیا کہ آگ تیز جلاؤ تاوقتیکہ لوہے کی ان چادروں کو بالکل آگ کر دیا، تو فرمایا میرے پاس لاؤ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں۔ پس نہ تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت تھی اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے''۔

حاکم کی یہ صفات بھی بیان ہوئی ہیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا، وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ، اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِه، اِنَّ اللّٰهَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا '' (النساء:۵۸) ''اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ! اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو! یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے''۔

احادیث میں بھی حاکم کی متعدد صفات بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً ''الامام العادل '' (بخاری ومسلم) کہ امام وحکمراں انصاف پرور ہو اور رعایا کے جان ومال اور حق وحقوق کا محافظ ہو۔ ''الامام راع وھو مسئول عن رعیتة '' (بخاری ومسلم) ''حکمراں نگراں ہیں اور وہ اپنی رعیت کے جوابدہ ہیں''۔

وہ اپنے رفاہی وترقیاتی کاموں اور خلقِ الٰہی اور مامورین کی متنوع مخلصانہ خدمات کی وجہ سے عوام کے قلب وجگر میں گھر کیے ہوا ہو اور اس کے لیے سب دعائیں کرتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''الا اخبرکم بخیار امراءکم و شرارھم خیارھم الذین تحبونھم و یحبونکم وتدعون لھم ویدعون لکم وشرار امراءکم الذین تبعضونھم ویبغضونکم و تلعنونھم ویلعنونکم '' (ترمذی) ''کیا میں تم کو تمہارے اچھے حکمرانوں اور برے

حکمرانوں کے بارے میں نہ بتاؤں۔؟ اچھے حکمراں وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرتے ہوں اور جن کے حق میں تم دعا کرتے ہو اور جو تمہارے لیے دعا کرتے ہوں۔ اور تمہارے برے حکمراں وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور جو تم سے بغض رکھتے ہوں اور جن پر تم لعنت بھیجتے ہو اور جو تم پر لعنت بھیجتے ہوں۔''

حکومت اور رعایا کا رشتہ بہت حساس، جواب دہی سے پر اور البیلا ہوتا ہے۔ حکومت یا عوام کی کوتاہی ایک دوسرے کے لیے ظلم وناانصافی اور امتیازی سلوک وحق تلفی یا حکم عدولی وسرتابی اور سمع وطاعت سے فرار کے لیے دلیل اور بنیاد نہیں بن سکتی۔ ان کا معاملہ دنیوی واخروی دونوں حیثیتوں سے والدین اور اولاد جیسا ہے والدین اپنی اولاد کو محض اس وجہ سے عاق نہیں کر دیں کہ اس نے ان کے حقوق ادا نہیں کیے اور نہ ہی اولاد والدین کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک اس لیے نہ کریں کہ والدین نے حق تربیت ادا نہیں کیا اور نہ ہی ان کے ساتھ انصاف کیا۔ بلکہ سب کو ایک دوسرے کے تئیں اپنی اپنی ذمہ داری نبھانی ہوگی۔

ایک حکومت پر رعایا اور عوام کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کئے بغیر کوئی بھی حاکم اور حکومت عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ چونکہ وہ حاکم وقت ہے اور بسا اوقات جوابدہی سے بے پرواہ وبے نیاز بھی بنا ہوا ہے پھر بھی وہ آخرت کی جواب دہی سے بچ نہ سکے گا جو کہ دنیا میں جوابدہی کے مقابلے کہیں زیادہ سخت اور اذیت ناک ہے۔ جو شخص دنیا میں چند لوگوں پر کسی وجہ سے حاکم اور امیر یا مالک متعین کیا گیا ہوگا وہ عام حالات میں بھی قیامت کے دن سب سے زیادہ سراسیمہ اور بے حال وپریشان حال اور متواضع اور کنگال دکھائی دیگا۔ اور دنیا میں جو کچھ اس کو بظاہر حکومت اور عزت ملی تھی وہ باعث عار ہوگی اور اسے شرمسار کر رہی ہوگی۔ تا آنکہ اس کی عدل گستری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے اندیشوں کو دور فرما کر عادل وانصاف پرور اور کرم گستر ورعایا پرور حاکم کے فیوض ربانی اور عطائے الٰہی سے اسے سرفراز کردے۔ اس سلسلہ میں آیات کریمہ، احادیث رسول اور تاریخ عالم میں متعدد واقعات وحالات وارد ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے: ''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلاَ تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا، وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا، وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ'' (الانبیاء: ۴۷) ''قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو کو۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔

ظلم بہرحال ظلم ہے اور یہ کبائر میں سے ہے۔ اس کا انجام ووبال بہت ہی برا ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ حاکم بھی ظالم ہوجائے تو اس کی شناعت وقباحت مزید بڑھ جاتی ہے اور ملک وقوم پر اس کے بدترین نتائج وعواقب مرتب ہوتے ہیں۔ اور اس طرح ملک تباہی وبربادی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔ اس میں بظاہر اللہ کے قانون شرعی کو ماننے والے حاکموں اور نہ ماننے والے حاکموں کی تفریق نہیں ہے۔ حاکم خواہ کوئی بھی ہو۔ مسلم ہو یا غیر مسلم اگر وہ ظلم وناانصافی کرے گا تو اس کی پاداش میں ملک وقوم کی تباہی وبربادی یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء وعظماء نے فرمایا ہے کہ ''**الملك يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم**'' ،''ملک کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا''۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے ''**ان الناس لم يتنازعوا في ان عاقبة الظلم وخيمة وعاقبة العدل كريمة ولهذا يروى: الله ينصر الدولة العادلة وان كانت كافرة ولا ينصر الدولة الظالمة وان كانت مومنة**'' (مجموع الفتاویٰ: ۶۳/۲۸) اس میں لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ظلم کا انجام برا ہوتا ہے اور عدل کا نتیجہ اچھا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف پرور حکومت کی مدد کرتا ہے اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور ظالم حکومت کی مدد نہیں کرتا اگر چہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہو''۔

اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ ظلم وناانصافی اتنا بڑا پاپ ہے کہ اگر وہ دنیا میں عام ہوجائے تو دنیا کا وجود ہی معرض خطر میں پڑ جائے گا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس حوالے سے ایک قول نقل کیا ہے: ''**ويقال الدنيا تدوم مع العدل والكفر ولا تدوم مع الظلم والاسلام**'' (مجموع الفتاویٰ: ۱۴۶/۲۸) '' کہتے ہیں کہ دنیا عدل اور کفر کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی''۔

خدا بس چاہتا ہے نیکیوں کا کام بندوں سے
نہیں وہ سید و شیخ و گدا و شاہ کا طالب

اسلامی تاریخ خلفاء وملوک کی عدل گستری اور ظلم بیزاری سے بھری پڑی ہے۔ خلفائے راشدین، حضرت امیر معاویہ، عمر بن عبدالعزیز سے ہوتا ہوا برصغیر میں بھی بہت سے امراء وملوک کی عدل گستری، انصاف پروری کا سنہری سلسلہ ہے جس کا حقیقت پسند مورخین نے دل کھول کر اعتراف کیا ہے اور خراج تحسین پیش کیا ہے کہ ان کی انصاف پروری اور عدل گستری کی برکت سے ان کی حکمرانی کا دائرہ پوری دنیا تک وسیع ہوگیا اور ہر طرف تعمیر وترقی کی پرکیف باد بہاری چلنے لگی حتی کہ مورخین نے بعض حکمرانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ '' ان کی عدل نوازی کی بنا پر کبک نے باز، دراج نے عقاب اور تدرو نے شاہین سے امن پایا، لومڑی اور ہرن شیر کے پاس اور بھیڑیا بکری کے نزدیک رہا کرتا تھا اور دونوں ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے''۔ اور مفتوحہ اقوام حکام کے خدام بننے میں راحت دین وجان محسوس کرتی تھیں۔ کیوں کہ انہوں نے ملکوں کو فتح کرنے سے پہلے دلوں کو فتح کرلیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

یہ تو حکام کا فرض ٹھہرا اور عوام ورعایا کو حکم ہوا کہ وہ ہر حال میں سمع وطاعت کو لازم پکڑیں، بہی خواہی حکومت وحکام دونوں ان کا وطیرہ ہو، تا آنکہ کفر بواح اور رب کی معصیت کا حکم صادر ہونے لگے تو پھر ''**لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق**'' (احمد) ''اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے'' کی روشنی میں اللہ کی ناراضگی کو مول نہ لیا جائے گا مگر بغاوت وخروج پھر بھی جائز نہ ہوگا۔ ہر طرح کے شر

وفساد، بدامنی، ظلم وزیادتی اور فساد اور حاکم ومحکوم میں ٹکراؤ اور کشمکش سے بچنے کا سب سے اہم طریقہ اور اسوۂ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف امت کا ہے۔ اور جو قوم وملک قانون ونظام، عدل وانصاف اور شوروشر سے بچ گئی وہ کم ازکم دنیاوی زندگی میں فوز وفلاح سے ہم کنار ہوگئی۔ اور جس کے حصہ میں احکام الٰہی اور قانون آسمانی کی تنفیذ واطاعت کی صلاحیت اور عمل سے پیراستگی آگئی اس کی دنیا وآخرت کی کامیابی معلوم ومتعین ہوگئی۔ اسی لیے فرمایا گیا ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ''(النساء:۵۹) ''فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔'' دیکھو اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور جو بھی تم میں سے صاحب امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔ اس سے تمہاری دنیا ودین اور آخرت سب سنور جائیں گے۔ اور اگر تم اس میں کسی کی بھی مخالفت پر کمربستہ ہوئے تو کبھی بھی کامیاب نہ ہوگے۔ اللہ ورسول کی اطاعت کا دم بھرنا اور اپنے درمیان امور کی نگرانی وتنفیذ کرنے والے کی نہ ماننا کبھی بھی اہل ایمان کا رویہ اور سبیل المومنین نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اولیاء امور کی نافرمانی اور ان سے عدم تعاون نت نئے فتنوں کا دروازہ کھولتا ہے جو کہ قتل وخون، فساد وبگاڑ، خوف ودہشت اور بدامنی واَشانتی اور عظیم تباہی وبربادی کا پیش خیمہ بنتے ہیں اور جن کو قرآن کریم میں عواقب ونتائج کے اعتبار سے قتل سے بھی بڑا جرم گردانا گیا ہے۔ فرمایا: ''والفتنة اشد من القتل''(البقرہ:۱۹۱)''اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے''۔

مختصر یہ کہ اپنی پسند یا ناپسند کو معیار وبنیاد بنا کر کسی بھی حاکم کی صرف نکتہ چینی ہی نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کے اچھے کاموں کی تعریف وتائید بھی ہونی چاہئے۔ ساتھ ہی حکومت ومملکت اور حکمرانوں کے تئیں اپنے کردار اور ذمہ داریوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے اور ہر ممکن طور پر ملک وملت کی تعمیر وترقی میں اپنا متوقع کردار ادا کرتے رہنا چاہئے۔ ہمیشہ شکوہ وشکایت صحت مند قوم کا شیوہ نہیں ہوتا۔ خروج وبغاوت بہرحال مردود ومذموم ہے۔ ہمارے اقوال وافعال سے سمع وطاعت جھلکتی ہو، ہمیں بہرحال کوئی ایسی بات یا ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے ملک وملت کی بدخواہی یا بدنامی ہوتی ہو اور جس سے تعمیر وترقی، امن وشانتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی، اخوت کی راہیں مسدود ہوتی ہوں۔ ہمارے گفتار اور ہمارے کردار ذمہ دارانہ ہوں اور اس سے ظالم کے لیے مزید ظلم کے راستے ہموار نہ ہوں۔ اس لیے کہ ہم ذمہ دار امت ہیں اور ہمیں اپنے گردوپیش اور حکومت وعوام کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ ''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته''(بخاری ومسلم)''تم میں کا ہر شخص نگراں ہے اور ہر شخص اپنے ماتحت کے متعلق جواب دہ ہے''۔

ہاں اگر حکومت کوئی ایسا اقدام کرتی ہے جو کہ عوام کی مصلحت میں نہیں ہے یا اس سے کسی مخصوص کمیونٹی کے دین وعقیدہ پر ضرب پڑتی ہے یا حقوق متاثر ہوتے ہیں اور جسم وجان اور مال ودولت کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو ایسی صورت میں بھی آئین و قانون کے تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نصیحت وخیرخواہی کا فریضہ ادا کرنا چاہئے۔ اور مقدور بھر تشدد وفساد اور تخریب وبدامنی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، کبھی بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اور دعا کرنا چاہئے کہ اللہ حالات میں بہتری پیدا فرمائے۔ مومن کا ایمان ہے ''ان مع العسر یسرا''۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور خود امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صنادید قریش اور طائف کے ظالموں کے حق میں عین ظلم کی گھڑی میں دعا فرمائی۔ امام فضیل بن عیاض، امام احمد بن حنبل وغیرہ مشاہیر کے بارے میں مشہور ہے کہ عین ابتلاء ومحن کی سخت گھڑی میں فرماتے تھے کہ ''اگر میری ایک دعا بھی دعائے مستجاب ہو تو میں اسے حاکم وقت کے لیے خاص کردیتا کہ اس کی صلاح ودرستگی میں ہی عباد وبلاد کی خیر وفلاح ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دین کا تصور جماعت کے بغیر ممکن نہیں اور جماعت کا تصور امام وحاکم کے بغیر ممکن نہیں ہے اور امامت ہی کس کام کی اگر اس میں سمع وطاعت اور حاکم کے حکم کی پیروی وفرمانبرداری نہ ہو۔

بد سے بدتر حالات میں بھی سمع وطاعت سے گریزاں نہیں ہونا چاہئے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان کی مشہور حدیث ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''یکون بعدی ائمة لا یھتدون بھدای ولا یستنون بسنتی وسیقوم فیھم رجال قلوبھم قلوب الشیاطین فی جثمان انس قال: قلت: کیف أصنع یا رسول الله ان أدرکت ذلک، قال: تسمع وتطیع لامیروان ضرب ظھرک وأخذ مالک فاسمع وأطع''۔ میرے بعد کچھ حکمراں ہوں گے جو میرے طریقہ پر نہیں چلیں گے اور نہ ہی میری سنت کو اپنائیں گے اور عنقریب ان میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو انسان کے جسم میں شیطانوں کے دل رکھنے والے ہوں گے۔ حضرت انس نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اس زمانے میں رہوں تو مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی سمع وطاعت کرو۔ اگر وہ تمہاری پیٹھ پر مارے اور تمہارا مال چھین لے پھر بھی اس کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

دراصل خدمت عباد وبلاد، فتوحات، نشر علوم وحکمت، تدوین کتاب وسنت اور ترویج علوم وتاریخ وجغرافیہ کا جو سنہری سلسلہ قرون مشہود لھا بالخیر میں رہا ہے وہی دور شر وفساد کا بھی رہا ہے۔ ''کل یعمل علی شاکلتہ''۔ مبارک عہد نبوی اور خلیفہ اول ودوم کو چھوڑ کر خیر القرون کے تمام ادوار میں صحابہ وتابعین، فقہاء وائمہ دین، محدثین عظام، اولیاء کرام اور سلف صالحین نے ہر طرح کے حکمرانوں کے دور میں یہ کارہائے متنوعہ ونمایاں انجام دیئے ہیں۔ اور اس کے برخلاف ہر دور میں خروج وبغاوت اور دین وانصاف کے نام پر شر وفساد پھیلانے والوں نے امت وانسانیت کو مخمصے اور خرخشے میں ڈالے رکھا ہے اور عبر القرون یہی فرق رہا ہے سلفی منہج وعقیدہ اور غیر سلفی، خارجی ومعتزلی اور اصلاح کے نام پر فساد عظیم برپا کرنے والوں کے منہج وفکر میں۔ فافھم وتدبر! ☆☆

# مسلم نوجوانوں کے نام دردبھراپیغام

خورشید عالم مدنی

ہمارے عزیز،آنکھوں کی ٹھنڈک،جگر کےٹکڑے،حاضر ومستقبل کے معمار!

اللہ کی قسم ہم آپ سے بے حد محبت کرتے ہیں،ہم صرف آپ کی کامیابی کے خواہاں ہیں،آپ کی عزت ہماری عزت ہےاورآپ کی ترقی شرف وبزرگی کوہم اپنی عظمت وسربلندی تصورکرتے ہیں ہماری امیدیں آپ سے وابستہ ہیں،آپ گرزندہ ہیں تویہ امت زندہ ہے، ہماری یہ خوشی ہے کہ آپ آگے بڑھیں تاکہ ہمیں بھی اپنی ترقی کا احساس ہو ہم آپ کے متعلق یہ نہیں چاہتے کہ آپ سڑک چھاپ بن جائیں، بیکاری وبیروزگاری کے شکار ہوجائیں بلکہ ہم آپ کوایک عام شخص کی حیثیت سے بھی دیکھنا نہیں چاہتے جو پڑھے، پاس کرجائے نوکری حاصل کرلے، زندگی بسر کرنے لگےاورزندگی کی تکمیل کے بعد دنیا کوداغ مفارقت دیدےاوراس طرح کہ اس دنیا میں اس کا کوئی نام ونشان موجود نہ ہو وہ اپنی کوئی یادگار نہ چھوڑے نہیں نہیں ......

میرے عزیز!

آپ بیکار پیدانہیں کئے گئے آپ کوئی شئ مہمل نہیں ہیں،آپ کے وجود کاعظیم مقصد ہے،آپ اس لیے دنیا میں آئے ہیں کہ دنیا کوکوئی نئی چیز عطا کریں،اسے کوئی مفید وکارآمد تحفہ دیں....اس قدرمحنت شاقہ سے کام لیں کہ بڑے انسانوں میں سے ایک انسان بن جائیں،غیروں نے تواس دھرتی کوفساد وبگاڑ سے بھردیا،انارکی وبے حیائی سے پرکردیا ہےلیکن آپ کوشش کریں کہ آپ کی آمد سے یہ دھرتی امن وشانتی کا گہوارہ بن جائے،ہم لوگ آپ کے چشم براہ ہیں آپ اپنا کام شروع کریں،آپ جس چیز کی ضرورت محسوس کریں،ہم سے مانگیں،ہم سے مشورہ کریں،ہمیں اپنا بہی خواہ سمجھیں،یادرکھیں!ہم میں سے جوشخص بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا اسے خائن سمجھا جائے گا۔ ہمارے دل کی اس آواز پرکان دھریں،ہمارے اس جملے کو بار بار پڑھیں یقین رکھیں ہم آپ کودھوکہ ہرگزنہیں دیں گے،غورکریں،تدبر سے کام لیں،کام کا آغاز کردیں اوراللہ پربھروسہ رکھیں آپ ہمیں ایک موقع دیں تاکہ ہم آپ کا تعاون کرسکیں .......تاکہ آپ احسن طریقہ سے راہ عمل متعین کرسکیں اورحسین وجمیل راستہ کواختیار کرلیں جوعزیمت وجہادصبر وثبات سے شروع ہوتا ہے نجاح ونجات،سعادت وسیادت کے منازل طے کرتا ہوااللہ کی خوشنودی اوردائمی نعمتوں والی جنت کے حصول پرختم ہوتا ہے۔

آیئے ہم آپ کوعزت وشرف کی بلندی پرخود پہنچنے اوراپنی امت کو پہنچانے کے مخفی اسرار سے واقف کراتے ہیں۔

**۱-اپنے رب کے ساتھ تعلقات استوار رکھیں:** ابھی آپ سلیم الفطرت ہیں آپ کو یہ صاف ستھری فطرت مبارک ہوآپ اس کی ضرورحفاظت فرمائیں آپ اپنے دلوں کوایمان باللہ سے پُرکرلیں،اللہ کی عظمت وکبریائی میں غور فرمائیں،اللہ کے آسمان اوراس کی زمین میں نگاہ ڈالیں،پہاڑوں،درختوں،پرندوں اورنہروں میں تامل کریں،انسان کوچاہیے کہ وہ دیکھے کہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، انسان کوچاہیے کہ وہ اپنے کھانا کودیکھےاوراپنے رب کی تسبیح بیان کرے۔ **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.**

آپ کے دلوں کی جب یہ کیفیت ہوجائے گی تو آپ مومن کامل بن جائیں گے آپ کواپنے رب کا عرش دکھائی دینے لگے گااورجنت میں جنتیوں کی باہمی ملاقات اورجہنم میں جہنمیوں کے شوروغوغا کا منظرنظر آنے لگے گا۔

آپ اپنی زندگی کے تمام اعمال کواللہ کے لیے خالص کرلیں،صرف اسی کی رضا چاہیں اورصرف اسی کی خوشنودی کےحصول کواپنا مقصود بنائیں،آپ کی نماز،قربانی، اکل وشرب،سونا وبیدار ہونا،محنت ومذاکرہ،احترام اساتذہ،اطاعت والدین اور سارے اعمال وحرکات وسکنات جوباعث اجر وثواب ہیں ان کا محرک ریا ونمود، انسانوں کی رضاوخوشنودی نہ ہوبلکہ ان کامقصوداولین رضاءالٰہی کاحصول اورآخرت کی کامرانی وسرفرازی ہو۔

آپ اللہ کی راہ کے راہی اوراس کی شریعت کے امین وپاسدار بن جائیں توآپ کی زندگی کاہرلمحہ آپ کی نیکیوں کے میزان کو بھاری بنائے گا۔

یہ نماز آپ کے دین کاستون اورآپ کی زندگی کی بنیاداورسہارا ہے،آپ اس کی محافظت کریں،دنیا کی کسی قسم کی مشغولیت میں بھی آپ اسے ہرگز نہ چھوڑیں۔ پھر آپ زندگی بھر معبود برحق کی حفاظت میں ہوجائیں گے،آپ نماز کے لیے تیار ہوجائیں چاہےآپ کے حالات وظروف جیسے بھی ہوں،تندرست ہوں یا مریض، مسافرہوں یا مقیم،مامون ہوں یا خائف،مشغول ہوں یا فارغ جیسے ہی اذان سنائی دےاپنی تمام مشغولیتوں کوچھوڑ کرحرکت میں آجائیں اورموت سے پہلے نماز پڑھ لیں

اس لیے کہ آخرت میں ان لوگوں سے نماز کا مطالبہ کیا جائے گا جو دنیا میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلاَ يَسْتَطِيْعُوْنَ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ (القلم: ٤٢ – ٤٣) (جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کرسکیں گے۔ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت وخواری چھارہی ہوگی، حالانکہ یہ سجدے کے لیے (اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب کہ وہ صحیح سالم تھے۔ (القلم: ۴۲-۴۳)

اور یادرکھیں! جب آپ خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے لگیں گے تو آپ کی پوری زندگی سنور جائے گی، یہ نماز آپ کو فواحش ومنکرات، ظلم وعدوان سے روک دے گی، آپ کے درجات بلند ہوجائیں گے اور آپ کے گناہ مٹ جائیں گے، آپ کی دعائیں قبول کرلی جائیں گی۔

اسی طرح قرآن حکیم کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کریں اپنے ساتھ مصحف رکھیں اور ہر دن پورے خشوع اور تدبر کے ساتھ اس کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں آپ کو ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور یہ ایک نیکی بڑھ کر دس گنی ہوجائے گی، آپ قرآن کی حفاظت کریں گے تو قرآن آپ کے رتبہ وشان کو بڑھادے گا اور آپ کو کرامت کا تاج پہنادے گا۔ اپنی آنکھیں بند کرلیجیے اپنے قلب کو تقویت اور روح کو غذا پہنچایئے، قرآن کو سینے سے لگالیجیے رحمان بھی آپ کو گلے لگالے گا اور آپ ایسی حلاوت پائیں گے کہ ایسا لطف ومزہ آپ کو پوری زندگی نصیب نہ ہوگی، اس کی تلاوت سے آپ اپنے اندر حق وباطل، خیر وشر میں امتیاز کی طاقت محسوس کریں گے اور آپ کی عقل اللہ کے نور سے روشنی حاصل کرنے لگے گی پس آپ اپنے اخلاق واوصاف اور معاملات کو اس طرح قرآن کریم کے قالب میں ڈھال لیں کہ آپ کی ذات چلتا پھرتا قرآن بن جائے اس لیے کہ حامل قرآن دوسروں کی طرح نہیں ہوتا اس کی امتیازی حیثیت وانفرادی شان ہوتی ہے جب سارے لوگ سوئے ہوتے ہیں تو وہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتا ہے اور جب لوگ حالت افطار میں ہوتے ہیں تو وہ روزے رکھتا ہے جب دوسرے لوگ باتیں بناتے ہیں تو وہ خاموش رہتا ہے جب دوسرے لوگ دھوکے دیتے، مکر وفریب کا معاملہ کرتے ہیں تو حامل قرآن اخلاص کا مظاہرہ کرتا ہے۔

آپ ذکر الٰہی کا خصوصی اہتمام کریں یہ آپ کی حفاظت کرے گا اور طاقتور بنائے گا۔ تمام حالات میں اپنے رب کو کثرت سے یاد کریں یہی آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے۔ ”لایزال لسانک رطبا من ذکر اللہ عزو جل“ (ترمذی، ابن ماجہ) ”ہمیشہ یاد الٰہی سے اپنی زبان تر رکھو“ دائمی ذکر شیطانوں سے آپ کو محفوظ رکھے گا اور آپ کے اندر قوت وطاقت بخشے گا۔ اور آپ کے تمام گناہوں اور برائیوں کو مٹادے گا اور آپ کی تمام مشکلوں کو آسان کردے گا اور تمام خطرات اور حوادث روزگار میں آپ کی مدد کرے گا اور آپ کے دلوں کو ایمان ویقین اور اعتماد کی دولت سے بھر دے گا۔ ذکر الٰہی کا فائدہ یہ بھی ہے یہ خاتمہ بالخیر پر آپ کی مدد کرے گا، زبان سے فحش الفاظ نکالنے اور گانا گانے کے بدلے ایک ذاکر مرتے وقت ذکر الٰہی کے کلمات کا ورد کرتا رہے گا کثرت سے اپنے رب کا نام لے گا تا کہ اس کی موت کلمۂ اخلاص پر ہو۔ اللھم اجعلنا منھم۔

**۲- اپنی ذات کو سنوارنے کی کوشش کریں:** آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے نفس کی تربیت کریں اس کی تطہیر اور تزکیہ کا خاص اہتمام کریں اسے خیر وبھلائی کا خوگر بنائیں اور برائیوں سے بچانے کی کوشش کریں، تمام روحانی وباطنی امراض سے اپنے دلوں کو پاک وصاف بنالیں۔

کبھی تکبر نہ کریں، آپ کمزور انسان ہیں آپ کی پیدائش ذلیل پانی سے ہوئی ہے آپ نے از خود اپنی ذات کو پیدا اور اپنے والدین اور رنگ ونسل کا انتخاب نہیں کیا ہے۔ سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔

آپ تواضع وخاکساری اختیار کریں اور فرمان نبوی کو یاد رکھیں ”وما تواضع أحد لله الا رفعه“ (رواہ مسلم) یعنی اللہ کے لیے جو شخص تواضع کرتا ہے تو اللہ اسے سربلندی عطا کرتا ہے۔ اپنے دلوں کو حقد وحسد سے پاک رکھیں اگر آپ کسی کی نعمت پر حسد کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا آپ اللہ کی تقدیر پر اعتراض کررہے ہیں۔

آپ اپنا محاسبۂ نفس کرتے رہیں اس لیے کہ دنیا میں جن لوگوں نے اپنا محاسبہ نہیں کیا قیامت کے دن ان کا حساب سخت ہوگا اور اسطرح ان لوگوں سے بھی سخت مواخذہ کیا جائے گا جو غفلت میں پڑے رہے، بال بچوں میں مگن رہے اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ہم راہ راست پر ہیں اس لیے انہوں نے اپنا طریقۂ زندگی نہیں بدلا اور عذاب الٰہی سے مامون ومطمئن ہوگئے ﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلاَ يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ”کیا وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہوگئے۔ سو اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا“ (اعراف: ۹۹)

آپ اس غفلت کے شکار نہ ہوں بلکہ اپنے نفس کا حساب لیتے رہیں اس سے اپنی نماز کا، قرآن کا، اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا، اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی کا محاسبہ کریں اور کوتاہی کی صورت میں اپنے اعمال میں تبدیلیاں پیدا کریں

اور فوراً سچی توبہ کریں۔

اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کبھی اور کسی حال میں بھی نہیں اگر چہ آپ کا گناہ آسمان تک کیوں نہ پہنچ جائے ارشاد باری ہے ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (میری جانب سے) ''کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالی سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے'' (الزمر:۵۳)

آپ اس موت کو یاد کریں جسے آنی ہے اور جو اپنے متعین وقت سے ٹل نہیں سکتی ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَايَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ ''اور ہر گروہ کے لیے ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی میعاد آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے'' (اعراف:۳۴)

اس قبر کی تیاری کریں جس کی پہلی رات ہی میں آپ دنیا کی تمام نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ ہسپتالوں کا معائنہ کریں ان مقامات کو دیکھیں جہاں مردہ کو غسل دیا جاتا ہے اور انہیں زیر زمین دفن کر دیا جاتا ہے اور اس گھڑی کے لیے عمل صالح کا توشہ جمع کر لیں جہاں سے دوبارہ واپسی کی تمنائیں کی جائیں گی لیکن وہ پوری نہ ہوں گی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کر لوں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے تک'' (المومنون:۹۹-۱۰۰)

اور اپنے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت پیدا کریں۔ اللہ کی محبت کا حق صرف زبانی دعوی سے نہیں بلکہ عمل واتباع سے ادا ہوگا۔

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا'' (آل عمران:۳۱)

اسی طرح آپ اپنے اس رسول سے محبت کریں جس نے ہمیں سکھلایا، ہماری تربیت کی، جس نے ہر قسم کے خیر وثواب کے راستے کی ہماری رہنمائی کی اور ہر قسم کی معاصی سے ہمیں بچنے کی تاکید فرمائی ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہارے جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری منفعت کی بڑی خواہش رکھتے ہیں۔ ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں'' (التوبہ:۱۲۸)

**۳- دوسروں کے ساتھ نیک برتاؤ کریں:** اسلامی اخلاق آپ کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں تاکہ آپ اپنے حبیب محمد ﷺ کی مجلس کے قریب ہو جائیں۔

خیال رہے کہ بنی نوع انسان میں آپ کے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق آپ کے والدین ہیں، آپ ان کی تعظیم کریں ان کے ساتھ احسان کریں اور ان کی اطاعت واحترام کریں جب ان سے گفتگو کریں تو نرم انداز سے کریں ان کو اف تک نہ کہیں ان کو نہ جھڑکیں ان پر سخاوت وفیاضی کا مظاہرہ کریں اور کسی کو ان پر ترجیح نہ دیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ ''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا'' (اسراء:۲۳)

ان کے علاوہ جو دوسرے اقرباء ہیں وہ آپ کے رشتے دار ہیں جو شخص بھی ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے گا اللہ تعالی اسے اپنی ذات سے جوڑے گا اور اس کی روزی بڑھا دے گا اس کی عمر لمبی کر دے گا اور وہ شخص خیر وبرکت اور اللہ کے اجر عظیم کا مستحق ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من احب أن يبسط له في رزقه وينسأله في اثره فليصل رحمه**'' یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی روزی کشادہ کر دی جائے اور اس کی عمر لمبی کر دی جائے وہ صلہ رحمی کرے۔ (متفق علیہ) اسی طرح آپ کے اساتذہ کرام جو آپ کے نبی کے وارث ہیں ان کا دین اسلام میں عظیم مرتبہ ہے ان کا احترام اور عزت وتوقیر کر کے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں فرمان نبوی ہے ''**ليس من امتي من لم يجل كبيرنا ويرحم صغيرنا ويعرف لعالمنا حقه**'' یعنی جو شخص بڑوں کی توقیر اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور اپنے عالم کے حق کو نہیں پہچانتا وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ (رواہ احمد والطبرانی)

اور جولوگ اپنے اساتذہ کو ہلکا سمجھتے ہیں اوران سے مذاق کرتے ہیں ان کے متعلق ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی عدم توقیر کرنے والے منافق ہیں وہ بوڑھا، صاحب علم اورامام عادل ہیں (رواہ الطبرانی) آپ کے بہترین دوست وہ ہیں جوآپ کونجات کی راہ پرلگادے اوراللہ کی طرف بلائے اس لیے اپنے دوستوں کی فہرست سے ایسے لوگوں کے نام خارج کردیں جو ہلاکت وبربادی کی طرف آپ کو بلاتے ہیں آپ کوسگریٹ پیش کردیتے ہیں اورنماز سے غافل کردیتے ہیں اسے آپ ہرگز اپنادوست نہ سمجھیں جوآپ کوسنیمابینی کی طرف گھسیٹتاہے اورعلمی مذاکرہ سے دورکرکے فساد وبگاڑ اورنشہ آوراشیاء میں مشغول کرنے کی کوشش کرتاہے۔

البتہ آپ کے جوصالح دوست ہیں ان کے ساتھ احسان کریں ان کی مدد کریں اوروقت پران کے کام آئیں اوران کی غیبت کرنے اورسب وشتم سے پرہیز کریں، اچھے اخلاق ہی سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اورمیزان عمل وزنی ہوتا ہے ارشادنبوی ہے ”ان المؤمن لیدرک بحسن خلقه درجة الصائم القائم.“یعنی مومن اپنے بہترین اخلاق کے ذریعہ قیام باللیل کرنے والے روزہ دار کے مقام ومرتبہ کو پالیتا ہے۔(رواہ ابوداود)

علاوہ ازیں اپنے ملک وطن سے محبت کریں۔اس کی حفاظت اوراس کی خدمت بھی کریں، اپنے وطن عزیز کوفساد وبگاڑ نشہ آوراشیاء، رشوت اور ہرقسم کی تخریب کاری سے بچانے کی کوشش کریں آپ کے ایمان وتقوی سے آپ کے ملک میں بھلائیوں کا فروغ ہوگا اور برکتوں میں اضافہ ہوگا۔ارشادباری ہے۔ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ اوراگران بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اورزمین کی برکتیں کھول دیتے۔(اعراف:۹۶)

جولوگ اپنے ملک میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ برسرپیکار ہیں۔جس کی سزابہت سخت ہے ﴿اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ وہ قتل کردیئے جائیں یاسولی پرچڑھادیئے جائیں یامخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یاانہیں جلاوطن کردیاجائے۔(المائدہ:۳۳)

☆☆☆


## مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام

# بارھواں آل انڈیا ریفریشر کورس

### ۵-۱۳/اکتوبر۲۰۱۹ء بمطابق ۵-۱۳/صفر۱۴۴۱ھ

### بمقام: اہل حدیث کمپلیکس، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی

دعاۃ ومعلمین اورائمہ کے لیے یہ خبر باعث مسرت ہوگی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیراہتمام گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی ”آل انڈیا ریفریشر کورس برائے ائمہ، دعاۃ ومعلمین“ کاانعقاد ہونے جارہاہے۔جومورخہ ۵/اکتوبر۲۰۱۹ء سے شروع ہوکر۱۳/اکتوبر۲۰۱۹ء کواختتام پذیر ہوگا۔ان شاءاللہ امید ہے کہ یہ دورہ تدریبیہ بھی گزشتہ سالوں کی طرح فوائد سے بھرپور ہوگا۔ جماعت کے مشاہیر اہل علم وتحقیق اوردعاۃ ومربیین ودیگرعصری وقانونی ماہرین مشارکین کواپنے علمی، تدریسی، دعوتی تجربات سے بہرہ ورفرمائیں گے۔

صوبائی جمعیات اہل حدیث کے امراء ونظماء سے اپیل ہے کہ وہ اپنے اپنے نمائندگان کے نام جلدازجلد ارسال کریں۔ ہرصوبائی جمعیت سے دونمائندگان مطلوب ہیں۔

نوٹ: دورہ تدریبیہ کاافتتاحی اجلاس ۵/اکتوبر۲۰۱۹ء، سنیچر کوصبح دس بجے منعقد ہوگا۔جس میں تمام مشارکین دورہ تدریبیہ کی شرکت ضروری ہے۔

شعبہ تعلیم وتربیت: **مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند**

# عظمت رفتہ کی بازیابی

عبدالمنان مظہرالدین شکراوی
اہل حدیث منزل، دہلی

انسان اپنی بداعمالیوں، ناعاقبت اندیشیوں، منصبی فریضہ سے غفلت اور بروقت نوشتۂ دیوار پڑھنے سے لاپرواہی برتنے کی پاداش میں جب ہر چہار سمت سے مصیبتوں میں گھر جاتا ہے تو مایوسی اور ناامیدی اس کے ذہن ودماغ پر ڈیرا جمالیتی ہے اور بری طرح ذہنی دباؤ کا شکار ہوکر اللہ کی رحمت سے اس کا یقین اٹھ جاتا ہے تو اس کی مایوسی کفر کا روپ دھار لیتی ہے۔

آج امت مسلمہ ہر طرف سے مصائب سے گھری ہوئی ہے۔مسلم ممالک سے لے کر پوری دنیا کے اندر چھوٹی بڑی مسلم اقلیتوں تک مسلمانوں میں بے چینی اور مایوسی پائی جارہی ہے اور کیوں نہ ہو آج ملت اسلامیہ کے حالات جس قدر ناگفتہ بہ ہیں چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں کبھی نہ تھے۔کہیں قتل وخونریزی ہے تو کہیں اسلامی تشخص کو مٹانے کی ناروا کوششیں اور کہیں اپنی ہی زمین، گھر بار سے بے دخل کئے جانے کی سازشیں ہورہی ہیں۔خود مسلم ممالک کے باشندے اغیار کی سازشوں اور اپنی ناعاقبت اندیشیوں کی بدولت دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی: یوشک الامم ان تداعی علیکم کماتداعی الاکلة الی قصعتهافقال قائل ومن قلة نحن یومئذ؟ قال بل انتم یومئذ کثیرولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن الله من صدورعدوکم المهابة منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوهن فقال قائل یارسول الله وما الوهن؟ قال: حب الدنیا وکراهیة الموت (ابوداود، مسند احمد) ترجمہ: ”قریب ہے کہ قومیں تمہارے خلاف ایسے ہی ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جیسے کھانے والے اپنے (کھانے کے) پیالے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔سوال کرنے والے نے سوال کیا: کیا اس دن ہم تعداد میں کم ہونگے؟ آپ نے فرمایا: بلکہ تم اس دن کثرت میں ہوگے لیکن سیلاب کے جھاگ میں کوڑے کرکٹ سے زیادہ تمہاری حیثیت نہ ہوگی۔اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دل سے تمہارا رعب ختم کردے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈالدے گا۔پوچھنے والے نے پوچھا: وہن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے کراہیت۔“ آپ ﷺ کی یہ پیشگوئی اس وقت پوری طرح صادق آرہی ہے۔

راوی حدیث حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لیکر اولین عباسی دور حکومت تک امت مسلمہ کو زبردست شان وشوکت اور مکمل سطوت وغلبہ حاصل رہا۔قومیں اس کے جاہ وجلال اور حشمت وہیبت سے ڈری اور سہمی رہتی تھیں۔اس کے خلاف ذرا سے اقدام کے لئے بھی سو بار سوچنا پڑتا تھا۔لیکن اس کے خلاف حدیث مذکور والی پیش گوئی کا ظہور مشرق سے مغلوں اور مغرب سے صلیبیوں کے بغداد پر حملے سے ہوا یہاں تک کہ سقوط بغداد کا سانحہ پیش آیا۔اس کے بعد وقفے وقفے سے امت پر حملوں اور سازشوں کی کہانی دہرائی جاتی رہی اور آج تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ امت مسلمہ دشمنان اسلام کے لئے لقمۂ تر بن گئی ہے۔جب جو چاہے اس پر ظلم وزیادتی کے پہاڑ توڑے۔عصمتیں لوٹ لے، معیشت تہ وبالا کردے اور دولت وثروت برباد کردے۔قومیں اس کی داستان مظلومیت لکھنے کے لئے بیچین ہیں اور مل کر مفت کے کھانے کی طرح اس پر پلی پڑ رہی ہیں۔

آج کے ان روح فرسا حالات میں مسلمانوں کو مایوسی سے نکلنے، اپنے ہوش وحواس درست کرکے اپنی غلطیوں کو سدھارنے اور دنیا کی قیادت کا بھولا ہوا سبق یاد کرکے پھر لام بند ہونے کی ضرورت ہے۔آج بھی اگر الٰہی قوانین کی پاسداری اور اپنے منصبی فریضہ کی ادائیگی کی جانب ملت گامزن ہوجائے تو حالات بتدریج پلٹ سکتے ہیں ورنہ اللہ کا یہ قانون ودستور بھی اٹل ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ. (الرعد: ۱۱)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

مایوسی وناامیدی کبیرہ گناہ ہے اور کافروں اور گمراہ لوگوں کی صفت ہے۔اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں اور اللہ کی صفات رحیمی وکریمی سے انجان ہونے کی بنا پر اللہ سے خیر کے امیدوار نہیں ہوتے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (الحجر: ۵۶) ترجمہ: ”کہا اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔“ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی فرمایا: اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف: ۸۷) ترجمہ: یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اللہ کی تدبیر سے غافل رہنا اور اس کی رحمت سے ناامید ہوجانا کبیرہ گناہ ہیں۔(طبرانی) مایوسی سے کام نہیں چلے گا بلکہ ہمت وحوصلہ کا مظاہرہ کرنا ہو

گا۔سازگار حالات میں تو ہمت وحوصلہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب انسان چاروں طرف سے گھر جاتا ہے اور چہار سو باد مخالف چلنے لگتی ہے۔ایسے میں اگر حوصلہ کھودیا تو ہلاکت ونامرادی آپ کا مقدر بن جائے گی اور آنے والی نسلیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ناامیدی اور مایوسی لاعلاج اور مہلک مرض سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس کے علاج کے لئے شرعی نسخہ اختیار کیا جائے تو اللہ کے حکم سے اس سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

صاف ستھرے اسلامی اصول وضوابط اور اسلامی اقدار وروایات کو اپنانا ترقی کی بنیاد ہیں۔ہمارے اسلاف نے جو ترقی کی منازل طے کیں وہ اسی کی بدولت تھیں۔انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے تھاما تو حالات یکسر پلٹ گئے۔ہمیں حالات کا جائزہ لینا چاہئے اور موجودہ دور کے تقاضوں کو شرعی ضابطوں کے مطابق پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کی جاسکے۔

سب سے پہلے ایک مسلمان کو زندگی کا مفہوم سمجھنا ہوگا نیز اپنے مقصد تخلیق اور کردار پر نظر ڈالنی ہوگی۔اسے سمجھنا ہوگا کہ اس کی حیثیت زمین پر اللہ کے خلیفہ کی ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اس زمین پر اللہ کا حقیقی بندہ بن کر زندگی گذارے اور زمین کو آباد کرنے کا اصلی کردار ادا کرے۔نیز زمین کے خزانوں اور وسائل وذرائع کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھے۔ان کی تعمیر وترقی کے لئے نہ صرف فکرمند رہے بلکہ عملی طور پر اس کے اقدامات کرے اور بہر قیمت انہیں بربادی سے بچانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد کرے۔علاوہ ازیں وہ اس پر نہ صرف خود کاربند ہو بلکہ لوگوں کے اندر بھی ان کے صحیح استعمال کی بیداری مہم میں فعال کردار ادا کرے۔

کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں نئی نسل کو علم کے زیور سے آراستہ کرنا ہوگا اور تعلیم کے فروغ کی مہم چھیڑنی ہوگی۔اسلام نے علم کے حصول کو بڑی اہمیت دی ہے۔علم اور اہل علم کی فضیلت سے متعلق قرآن کریم وحدیث شریف میں بے شمار نصوص موجود ہیں اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: **طلب العلم فريضة على كل مسلم** (مسلم)''علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' اسلام علم کو براہ راست ترقی کی معراج سمجھتا ہے۔متلاشیان علوم کو چاہئے کہ معاشرہ وسوسائٹی کے تقاضوں کے مدنظر علمی میدان کو ترجیح دیں اور جس چیز کی واقعی ضرورت ہو اس میں مہارت حاصل کرکے قوم کی خدمت کریں۔علم کو دینی وعصری علوم میں بانٹ کر کسی کی اہمیت کو کم نہ کریں بلکہ تمام ہی علوم سیکھنا ضروری ہیں تبھی ہم زمانے کے تقاضوں کو پورا کرسکتے ہیں اور ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑے ہوسکتے ہیں۔موجودہ دور میں جبکہ امت ترقی کی دوڑ میں بہت پچھڑ چکی ہے علم کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ہمیں زیادہ سے زیادہ معیاری تعلیمی ادارے قائم کرکے نئی نسل کے لئے ترقی کی راہ ہموار کرنی ہے اور تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی خاص خیال رکھنا ہوگا۔قوم کے سرمایہ داروں کو چاہئے کہ اس راہ میں آنے والی مادی مشکلات کو دور کریں اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح انہیں نوازا ہے اس کا حق ادا کریں۔قوم کے باشعور لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ملت کے نونہالوں کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیں اور کوشش کی جائے کہ تعلیم کے کسی بھی میدان کو خالی نہ رہنے دیا جائے۔

امت مسلمہ کا ایک اہم فریضہ دعوت الی اللہ کا ہے جسے ہم نے یکسر فراموش کردیا ہے۔ارشاد ربانی:''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ''(آل عمران:۱۱۰) (تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے برپا کیا گیا ہے) کی روشنی میں دعوت ہمارا منصبی فریضہ تھا۔جس سے نہ صرف ہم نے مجرمانہ لاپرواہی وبے اعتنائی برتی بلکہ اس کی اہمیت کو ہی بھلا بیٹھے۔خیر امت کا لقب ہمیں اس لئے ملا تھا تاکہ ہم اپنی بھلائی کے ساتھ لوگوں کی بھلائی کے لئے بھی ہمہ وقت فکرمند رہیں، بندگان الٰہی تک اللہ کا پیغام پہنچائیں۔دعوت الی اللہ کے فریضے کی اہمیت کو سمجھیں اور عملی طور پر اس کے تقاضوں کو پورا کریں۔

مسلم اقلیتیں جہاں بھی ہیں ان کی مشکلات کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہموطنوں تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچایا ورنہ اگر وہ حلقہ بگوش اسلام نہ بھی ہوتے تو اسلام کی تعلیمات کو جان کر مسلمانوں کے اتنے بڑے دشمن نہ ہوتے کہ ان کے وجود ہی کو اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ان کے ذہن ودماغ میں طرح طرح کی غلط فہمیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان ایک بیکار کی مخلوق ہے،ان کی تاریخ ظلم وجبر سے عبارت ہے جتنا جلد ہوسکے ملک کو ان کے وجود سے پاک کردینا چاہئے۔اسی لئے آج بڑے پیمانے پر انہیں دوسرے نمبر کا شہری بنانے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور عوام وخواص آئینی مراعات سے محروم کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود اگر ہم نے حکمت ودانائی کے ساتھ دعوت کے فریضہ پر توجہ نہ دی تو ہماری حالت میں سدھار مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

اس کی ترقی کا ایک اہم راز اتفاق واتحاد میں مضمر ہے۔اسے اجتماعیت کی حیثیت اور قیمت کو سمجھنا ہوگا۔اسلام نے اجتماعیت پر بہت زور دیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۳) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو،اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے،تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی

ہوگئے۔"ایک مقام پر فرمایا:وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِیۡحُکُمۡ وَاصۡبِرُوۡا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ (الانفال:۴۶) ترجمہ:"اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لیس احد یفارق الجماعة شبرا فیموت الامات میتة جاھلیة. (جو کوئی جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوکر مرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا) قرآن کریم اور حدیث شریف میں جابجا اتحاد واتفاق کی تعلیم اور اختلاف وانتشار سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔الٰہی دستور کے مطابق جماعتی بینر تلے رہ کر مکمل کوشش کی جائے گی تو اس سے یقینی طور پر معاشرے میں استحکام آئے گا،نظم بحال ہوگا اور امن وسکون کو بالادستی حاصل ہوگی۔ساتھ ہی تعمیر وترقی کے قافلے کو پیش قدمی کرنے میں مدد ملے گی۔ہمیں اتحاد کی شرعی بنیادوں کو تلاش کرکے ان پر عمل پیرا ہونا ہوگا اور مسلکی تنازعات کو اختلاف کے آداب کے دائرے میں رکھ کر منافرت کی خلیج کو بھی پاٹنا ہوگا۔

**وقت کی قدردانی**: ایک اور اہم بات جس میں ملت کی ترقی کا راز مضمر ہے وہ ہے وقت کی قدردانی۔ہم وقت کی قیمت کو سمجھیں اس کی قدر کریں۔اپنے اوقات کو مثبت کاموں میں لگائیں اور منفی سوچ سے دور رہیں۔ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اسے بیکار ضائع نہیں کرنا چاہئے۔حدیث شریف میں ہے: من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه (ترمذی) آدمی کا بیکار کی باتوں کو چھوڑ دینا اس کے اچھے مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔لہٰذا ہر شخص کو چاہئے، اپنا قیمتی وقت بھلائی کے کاموں میں لگائے اور اسے ضائع نہ کرے۔وقت بیش قیمت شے ہے۔عربی کی کہاوت ہے: الوقت کالسیف ان لم تقطعه یقطعک. وقت تلوار کی طرح ہے اگر آپ اسے نہیں کاٹیں گے یعنی اس کا صحیح استعمال نہیں کریں گے تو وہ آپ کو کاٹ دے گا یعنی وہ گذر جائے گا اور اس کے ضائع ہونے کا ہمیشہ ملال رہے گا۔جو وقت آپ کو کچھ کرنے کے لئے ملا تھا وہ ختم ہو جائے گا اور پھر موقعہ نہیں ملے گا۔ہمیں جاپان سے سبق سیکھنا چاہئے۔دوسری جنگ عظیم میں امریکہ نے جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی کو ایٹم بم سے اڑا دیا۔ان کا نام ونشان مٹا دیا جس کے بعد جاپان نے نوشتہ دیوار کو پڑھ کر اپنی پوری توانائی بغیر کسی سے الجھے پوری دلجمعی کے ساتھ ملک وقوم کی تعمیر وترقی پر صرف کی ایک ایک لمحہ کی قیمت کو سمجھا اور اس کا صحیح استعمال کیا جس کے نتیجے میں کچھ ہی سالوں کے اندر وہ دوبارہ ترقی یافتہ قوموں کی صف میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوگیا اور آج صنعت وحرفت میں اس کی مثال دی جاتی ہے۔اگر مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے اثرات یقیناً برآمد ہوتے ہیں۔اسلام نے عبادت کی حد تک کام کو اہمیت دی ہے۔اس نے یہ مانا ہے کہ جب تک انسان کام کرنے کی استطاعت رکھتا ہے وہ اس میں لگا رہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے: اذا قامت الساعة وفی ید احدکم فسیلة فاستطاع الا تقوم حتی یغرسها فلیغرسها (احمد) "قیامت آجائے اور تمہارے ہاتھ میں ٹہنی ہو تو اگر اسے لگا سکتا ہو تو لگا دے" اس حدیث سے جہاں شجرکاری کی اہمیت واضح ہوتی ہے وہیں وقت ضائع نہ کرنے کی بھی تاکید سمجھ میں آتی ہے۔

**معاشرہ کی اصلاح**: ایک بہت ہی اہم بات جو قوم کی تعمیر وترقی میں نمایاں کردار ادا کرسکتی ہے وہ معاشرے کی اصلاح ہے جو بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا مزاج بنائے بغیر ممکن نہیں ہے۔بھلائی کا جب تک لوگ حکم نہیں دیں گے بھلائی کا مزاج نہیں بنے گا اور جب تک برائی سے روکیں گے نہیں اس کا سدباب نہیں ہوگا۔اسی لئے اسلام میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بڑی اہمیت ہے۔قرآن کریم ببانگ دہل پکار رہا ہے: وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّةٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (آل عمران:۱۰۴) ترجمہ:"تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اچھی بات کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔" اس آیت کریمہ میں فلاح اور کامیابی کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر موقوف رکھا گیا ہے۔

معاشرے کے اندر خرابی اس صورت میں خوب پھلتی پھولتی ہے جب لوگوں کے اندر برائی کے پھیلنے کو لائق اعتنا نہیں سمجھا جاتا، برائی کو برائی سمجھنے کا احساس ختم ہو جاتا ہے بلکہ اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔لوگ برائی کے خلاف منہ کھولنے سے ہچکچاتے ہی نہیں ڈر وخوف محسوس کرتے ہیں۔فرمان نبوی ﷺ کی روشنی میں بنی اسرائیل میں برائیوں کا پہلا فتنہ اس طرح پھیلا: ان اول مادخل النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول یاھذا اتق اللہ ودع ما تصنع فانه لا یحل لک ثم یلقاہ من الغد فلایمنعه ذلک ان یکون اکیله وشریبه وقعیدہ فلما فعلوا ذلک ضرب اللہ قلوب بعضهم ببعض ثم قال: لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّکَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ کَانُوۡا لَا یَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡهُ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیۡهِمۡ وَفِی الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ وَلَوۡ کَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِیَآءَ وَلٰکِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ (المائدہ:۷۸-۸۱) ثم قال کلاواللہ لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنه علی الحق أطرا ولتقصرنه علی الحق قصرا والالیضربن اللہ

**بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعننکم کما لعنھم** (ابوداود) یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں جو گمراہی پھیلی اول وہ اس طرح شروع ہوا کہ نیک آدمی گنہگار آدمی سے ملتا تو کہتا کہ اے شخص تو اللہ سے ڈر اور اس کام کو چھوڑ دے یہ جائز نہیں ہے۔ پھر وہ جب اگلے دن اس سے ملتا تو اس کے اس رویہ کی وجہ سے اس کے ساتھ کھانے، پینے اٹھنے بیٹھنے پر کوئی فرق نہ پڑتا۔ بس ان لوگوں کا ایسا حال ہوگیا تو اللہ پاک نے ایک دل کو دوسرے دل پر مار دیا۔ (یعنی گنہگاروں میں میل جول رکھنے سے نیک لوگوں کے دل بھی بگڑ کر سیاہ ہوگئے) پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں: **لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ کَانُوْا لَایَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَفِی الْعَذَابِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَا اتَّخَذُوْھُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ** (المائدۃ:۷۸۔۸۱) ’’بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔ ان میں بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں، جو کچھ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور جو نازل کیا گیا اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں۔‘‘ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہرگز ایسا نہ کرنا بلکہ قسم ہے اللہ کی یا تو نیک کاموں کا حکم کرتے رہنا اور برے کاموں سے منع کرتے رہنا بلکہ تم کو لازم ہے کہ نافرمانوں کا ہاتھ پکڑ لینا اور زور کے ساتھ اس کو حق کی طرف کھینچ لانا اور حق بات قائم رکھنے کی پوری کوشش کرنا اور مضبوطی رکھنا لیکن اگر ایسا نہ کروگے تو اللہ تعالیٰ ایک کے دل کو دوسرے کے دل پر مار دے گا۔ یعنی سب کے دل بگڑ جائیں گے پھر تم پر بھی لعنت کردے گا جس طرح ان پر لعنت کی تھی۔‘‘

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ برائی اس وقت تک معاشرے سے دور نہیں ہوگی جب تک کہ برے لوگوں کو ان کے برے ہونے کا احساس نہیں دلایا جائے گا اور اس کے لئے جائز راستے اختیار نہیں کیا جائے گا۔ مرحلہ وار برائی کو مٹانے کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: **من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان** (مسلم) جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو چاہئے کہ اسے ہاتھ سے بدل دے ورنہ اپنی زبان سے اس کی اصلاح کرے یہ بھی نہ کرسکے تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔‘‘

معاشرے کی اصلاح سے متعلق یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ معاشرہ افراد سے بنتا ہے لہٰذا فرد کی اصلاح سے معاشرے کی اصلاح ہوگی۔ ہر شخص اپنی اصلاح کی کوشش کرے۔ کسی فرد یا معاشرے کے پاس کوئی ایسا بٹن نہیں جس کو دبا کر آناً فاناً اصلاح کی مہم کو سر کرلیا جائے بلکہ اس کے لئے زمینی سطح سے اصلاح کی کوشش کرنی ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عالمی پیمانے پر ملت اسلامیہ کے حالات بہت ہی خراب ہیں جو ہماری نافرض شناسی، ناعاقبت اندیشی، لاپرواہی اور شریعت کے اصولوں سے روگردانی کی بنا پر ہوئے ہیں۔ یہ سب ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور اس کے لئے ہم خود ذمہ دار ہیں لیکن پھر بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں مصائب سے نکلنے اور تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے جو اصول وضوابط الٰہی نظام میں متعین ہیں انہیں اختیار کریں اور اللہ سے لو لگائیں اس کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں ہے۔ اس نے فلاح وکامرانی نیز بربادی کے راستوں کی نشان دہی فرمادی ہے۔ فلاح وکامیابی کے راستے پر چل کر ہی کھویا ہوا وقار، عظمت اور تمکنت حاصل ہوسکتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا بہت ہی مشہور قول ہے: **لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الابما صلح بہ اولھا**۔ اس امت کا آخری انسان بھی انہیں الٰہی قوانین واصول کو اپنا کر درست ہوسکتا ہے جن کے ذریعہ اس امت کے پہلے شخص کی اصلاح ہوئی تھی۔‘‘ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

☆☆☆


**مکتبہ ترجمان کی تازہ پیشکش**

# کتاب الآداب

**مؤلف: فؤاد بن عبدالعزیز الشلھوب**

مترجم: محمد نعیم محمد شفیع سلفی

**تقدیم**

**مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی**

صفحات: 665 قیمت: -/300

# صحبت صالح ترا صالح کند

ابوعدنان سعید الرحمٰن نور العین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الہندی للترجمۃ والتالیف، نئی دہلی
Mob. 8285162681

یہ سچ ہے کہ ایک انسان کی پہچان اس کے اپنے رفقاء اور ساتھیوں سے ہوتی ہے۔ یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے دوست واحباب کے عادات واطوار سے بہت حد تک متاثر ہوتا ہے اور اثر پذیر بھی۔ آپ اپنے قرب وجوار کا جائزہ لیں تو اس حقیقت کا بآسانی ادراک کرلیں گے کہ نیک لوگوں اور اچھے حضرات کی صحبت میں رہنے والے انسان کی پوری دنیا تعریف کرتی ہے، اسے قابل اعتماد اور بھروسہ کے لائق جانتی ہے، اسے تمام طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر سمجھا جاتا ہے، بلکہ اگر سماج و معاشرہ میں کوئی واردات وقوع پذیر ہوتی ہے تو شک کی سوئی اس پر نہیں جاتی اور اگر شر پسند عناصر غلطی سے اس پر اتہام پردازی اور دشنام طرازی کی کوششیں کرتے ہیں تو اس کی طرف سے دفاع کرنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہوتی ہے لیکن دوسری طرف جو انسان برے لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے اور بدطینت اور بدکردار افراد کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، معاشرہ میں بدنام اشخاص کے ساتھ بود وباش اختیار کرتا ہے تو معاشرہ میں اسے بھی لوگ بری نظروں سے دیکھتے ہیں، سماج میں ایسے انسان کی شبیہ بھی منفی بن جاتی ہے اور فطری طور پر معاشرہ میں وقوع پذیر برائی اور انجام پذیر واردات کے لئے دنیا اسے مشکوک ومتہم گردانتی ہے اور لوگ اس برائی سے اس کو جوڑ کر دیکھتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر موقع پر اپنی طرف سے دفاع کرنے میں ہی لگا رہتا ہے اور اسے ہمہ وقت اپنی ذات سے صفائی پیش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے اپنے متبعین کو دوست وہم نشیں، اصحاب و احباب، رفقاء اور ساتھیوں کے انتخاب واختیار کے تعلق سے مکمل ہدایت اور رہنمائی فرمائی ہے کہ کن لوگوں کی صحبت ہمارے لئے مفید اور کارگر ہے، کن اخلاق واطوار کے حاملین کو دوست بنایا جاسکتا ہے اور وہ کون سے لوگ ہیں جن کی صحبت ورفاقت سے بہتر اثرات اور اچھے نتائج کی امید کی جاسکتی ہے۔ دوسری طرف مذہب اسلام نے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے اندر ایسے لوگوں کی بھی نشاندہی کردی ہے جن کی دوستی اور ہم نشینی ہمارے مذہب وایمان، اخلاق وکردار اور اعمال وکردار کے لئے زہر ہلاہل اور مضر ہے اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت ومعیت سے ہمیں ہر ممکن دور رہنا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کا ادراک ضروری ہے کہ لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ تو بھلائی اور اچھائی کے پیامبر ہونے کی بنا پر نیکی اور بھلائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کچھ برائی کے حامل ہونے کی وجہ سے بدی کی طرف کھینچتے ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان من الناس مفاتيح للخير مغاليق للشر وان من الناس مفاتيح للشر مغاليق للخير فطوبى لمن جعل الله مفاتيح الخير على يديه وويل لمن جعل الله مفاتيح الشر على يديه" یعنی یقیناً کچھ لوگ نیکیوں کے جاری کرنے والے اور برائیوں کو بند کرنے والے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ برائیوں کے جاری کرنے والے اور نیکیوں کو بند کرنے والے ہوتے ہیں۔ خوش خبری ہے اس شخص کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نیکی جاری کرنے والا بنادے اور ہلاکت ہے اس کے لئے جس کے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ برائیوں کو جاری کرنے والا بنادے"۔ (سنن ابن ماجہ/۲۳۷، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔)

اس حدیث میں اعلانیہ طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک جو خیر اور افعال خیر کے داعی ہوتے ہیں اور ہمیشہ خیر کی ترویج اور اشاعت کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ خیر کے معدن اور سرچشمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ بولتے ہیں تو خیر بولتے ہیں اور اور اپنے عمل وکردار سے بھی خیر کی ترویج کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی رفاقت ہمارے لئے نفع کا سودا ہے اور خیر سے اپنے نفس کو مزین کرنے میں حد درجہ معاون بھی ہے، وہیں دوسری طرف اچھے لوگوں کے مقابلے میں اشرار اور برے افراد کی ہے جو فتنہ میں ملوث رہتے ہیں، برائیوں کو پھیلاتے ہیں اور برائیوں میں ہمیشہ لت پت ہوتے ہیں جن کی قربت ہمارے لئے برائیوں میں ملوث ہونے کے مترادف ہوا کرتی ہے تو ہمیں ایسے افراد سے دوری بنا کر رہنے میں ہی عافیت ہے۔ اس حدیث کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ارشاد فرمایا ہے: "انما مثل الجليس الصالح والجليس السوء كحامل المسک ونافخ الكير، فحامل المسک اما أن يحذيک واما أن تبتاع منه واما أن تجد منه ريحا طيبة ونافخ الكير اما أن يحرق ثيابک واما أن تجد منه ريحا خبيثة" یعنی نیک ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے انسان جیسی ہے اور برا ساتھی لوہار جیسا ہے۔ کستوری بیچنے والا یا تو از خود تجھے خوشبو دے دے گا یا تو اس سے خرید ہی لے گا (اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوئیں تو) یا کم از

کم تجھے اس کی خوشبو (مہک) تو حاصل ہوتی ہی رہے گی۔ رہا لوہار یا تو وہ تیرے کپڑے جلادے گا یا پھر تجھے ناگوار دھواں تو پھانکنا ہی پڑے گا۔ (صحیح بخاری/ 5524، صحیح مسلم/ 6382)

یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ اچھے انسان کی صحبت اور رفاقت جہاں انسان کے رہن سہن کے طور طریقہ، فکر و خیال، عادات و افعال، اخلاق و کردار اور اس کے تعامل کے لئے مستحسن اور بہتر ہیں نیز بہتر ساتھی اور اچھا ہم نشیں دین و دنیا کی بھلائیوں کے حصول کا ذریعہ ہے وہیں صحبت بد اور برے انسان کی ہم نشینی اور ہم رکابی انسان کے فکر و خیال، طور و طریقہ اور اخلاق و عادات کے لئے مضر ہے اور سب پر برا اثر ڈالتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث میں اہل خیر، اہل مروّت اور بااخلاق، پرہیز گار، اہل علم اور باادب نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور برے، اہل بدعت، لوگوں کی چغلی کرنے والے اور جن کی برائیاں، فسادات اور جھوٹی باتیں بڑی لمبی چوڑی ہوں، ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے روکا گیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ۶/ ۱۷۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ جس شخص کی وجہ سے دین و دنیا کا نقصان ہو، اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے دین و دنیا کا نفع ہو اس کے ساتھ بیٹھنے کی حدیث میں ترغیب دی گئی ہے۔ (فتح الباری ۴/ ۳۲۴)

یقیناً اہل خیر، علمائے کرام اور نیک لوگوں کی ہم نشینی بے پناہ فوائد و ثمرات کی جامع ہے۔ آپ تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتے کا تذکرہ قرآن پاک میں محض اس وجہ سے کیا کہ اس نے نیک لوگوں سے محبت کی اور نیک لوگوں کے ساتھ رہا۔ چنانچہ فرمایا: "وَکَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ" (سورۃ الکھف/ ۱۸) یعنی ان کا کتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کے ہم نشیں کو ان کی صحبت کی برکت شامل حال ہوتی ہے اور ان سے اس کو عام بھلائی حاصل ہوتی ہے اگرچہ اس کا عمل ان کے برابر نہ ہو۔ اس کی واضح دلیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "ان للہ تعالیٰ ملائکة یطوفون فی الطرق یلتمسون أهل الذکر، فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ عزوجل، تنادوا: هلموا الی حاجتکم، فیحفونهم بأجنحتهم الی السماء الدنیا، فیسألهم ربهم –وهو أعلم– مایقول عبادی؟ قال یقولون: یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک ویمجدونک، فیقول: هل رأونی؟ فیقولون: لا واللہ ما رأوک، فیقول: کیف لو رأونی؟ قال: یقولون: لو رأوک کانوا أشد لک عبادة، و أشد لک تمجیدا، وأکثر لک تسبیحا، فیقول: فماذا یسألون؟ قال: یقولون: یسألونک الجنة. قال: یقول: وهل رأوها؟ قال: یقولون: لا واللہ یا رب ما رأوها. قال: یقول: فکیف لو رأوها؟ قال: یقولون: لو أنهم رأوها کانوا أشد علیها حرصا، و أشد لها طلبا، و أعظم فیها رغبة، قال: فمم یتعوذون؟ قال: یتعوذون من النار، قال: فیقول: وهل رأوها؟ قال: یقولون: لا واللہ ما رأوها، فیقول: کیف لو رأوها؟ قال: یقولون: لو رأوها کانوا أشد منها فرارا، و أشد لها مخافة، قال: فیقول: فأشهدکم أنی قد غفرت لهم، قال: یقول ملک من الملائکة فیهم فلان لیس منهم، انما جاء لحاجة، قال: هم الجلساء لایشقی بهم جلیسهم" (متفق علیه) یعنی اللہ کے کچھ خاص فرشتے ہیں جو راستوں میں گھوم کر ذکر و اذکار کرنے والوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جب انہیں ذکر و اذکار کرنے والے مل جاتے ہیں تو باہم ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ اپنی مراد کی طرف آؤ، پھر انہیں اپنے پروں سے آسمان دنیا تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس موقعہ سے پروردگار فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ تیری تسبیح، تکبیر، تحمید اور تمجید کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں، اللہ قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے۔ رب تعالیٰ پوچھتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کی حالت کیا ہوگی؟ فرشتے جواباً عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ لوگ تجھے دیکھ لیں گے تو مزید کثرت سے تیری عبادت کرنے لگیں گے، تمجید زیادہ سے زیادہ انجام دیں گے اور تسبیح کا ورد مزید تر کرنے لگیں گے۔ رب تعالیٰ پھر پوچھتا ہے کہ وہ لوگ کس چیز کا سوال کر رہے ہیں؟ فرشتے بتاتے ہیں کہ وہ لوگ تجھ سے جنت مانگ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت دیکھ رکھی ہے؟ فرشتے گویا ہوتے ہیں کہ نہیں، اللہ قسم! انہوں نے جنت نہیں دیکھ رکھی۔ رب تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں تو پھر ان کی کیا حالت ہوگی؟ فرشتے گویا ہوتے ہیں کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں گے تو جنت کے لئے ان کی حرص بڑھ جائے گی، وہ مزید محنت سے اس کا مطالبہ کرنے لگیں گے اور ان کی رغبت زیادہ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پھر سوال کرتا ہے کہ وہ لوگ کس چیز سے پناہ طلب کر رہے ہیں؟ فرشتے بتاتے ہیں کہ وہ لوگ جہنم کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دریافت کرتا ہے کہ کیا انہوں نے جہنم دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، اللہ قسم! انہوں نے جہنم نہیں دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر وہ لوگ جہنم دیکھ لیں تو ان کی کیا کیفیت ہو؟ فرشتے بتاتے ہیں کہ اگر وہ لوگ جہنم دیکھ لیں تو اس سے سختی سے بھاگنے لگیں اور زیادہ خوف کھانے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تم سبھی کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں معاف کر دیا۔ اس دوران ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ فلاں شخص ان میں سے نہیں تھا، وہ کسی ضرورت کی وجہ سے

آیا تھا۔ اللہ کہے گا: میں نے اسے بھی معاف کر دیا کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کا ہم نشیں بھی (ثواب سے) محروم نہیں رہ سکتا۔ (صحیح بخاری/ 4608، صحیح مسلم/ 2689)

نیک اور اچھے دوست اور ہم نشیں کے انتخاب کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کا ہم نشیں ان سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ آدمی کے لئے اپنے ہم نشیں کی اقتداء طبعی بات ہے اور اس کے علم، عمل، عادات اور وہ اس کے طور طریقے سے متاثر ہوتا ہے۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''المرأ علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخالل'' یعنی آدمی اپنے دوست کے دین (طور طریقہ) پر ہوتا ہے لہذا تم میں سے ہر ایک کو سوچ سمجھ کر دوست کا انتخاب کرنا چاہئے۔ (سنن ابوداود/ 4833، سنن ترمذی/ 2278، مسند احمد/ 8048، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح الجامع/ 3545)

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے جن کی امانتداری اور دینداری پر ہمیں اطمینان ہو کیونکہ آدمی اپنے دوست و ہم نشیں کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے استقامت و اصلاح میں بھی اور ان کے برعکس بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف کرام کہا کرتے تھے کہ جب کسی انسان کے بارے میں جاننا ہو تو اس کے دوست و احباب کے بارے میں آگاہی حاصل کر لو تو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ عدی بن زید رضی اللہ عنہ کا اپنے منظوم کلام میں کہتے ہیں:

عن المرء لا تسأل و سل عن قرینه
فکل قرین بالمقارن یقتدی
اذا کنت فی قوم فصاحب خیارهم
ولا تصحب الأردی فتردی بالردی

یعنی آدمی کے بارے میں پوچھنے سے پہلے اس کے دوست کے بارے میں پوچھ لو، کیونکہ آدمی اپنے دوست کی پیروی کرتا ہے۔ جب تم لوگوں میں مل جل کر رہو تو ان میں سے بہتر شخص کو اپنا ساتھی بناؤ اور گھٹیا کو ہم نشیں نہ بناؤ کیونکہ گھٹیا تجھے بھی ہلاک کر دے گا۔ (ادب الدنیا والدین ص/ 167)

اچھے دوست بنانے کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمارے عیوب کی نشاندہی کرتے ہیں، کمزوریوں کو بتاتے ہیں اور کوتاہیوں کی طرف توجہ مبذول کرتے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ جب انسان کو اس کے نقائص پر ٹوکنے والے موجود ہوں گے تو وہ ان عیوب کے علاج، اصلاح اور ازالہ کی طرف توجہ دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ قرار دیا ہے اور کہا ہے ''المؤمن مرأة المؤمن''۔ چنانچہ جب ہم کسی مومن اور نیک انسان کو اپنا دوست اور ہم نشیں بنائیں گے تو یقینی طور پر اس طرح سے ہمیں اپنے عیوب کو سدھارنے کا سنہرا موقع ہاتھ لگے گا۔

اس کے سوا بھی صالح دوست، اچھے احباب، بہتر مصاحب، عمدہ ہم نشیں اور اخلاق مند ساتھی کے بہت سارے فائدے ہیں جیسے کہ آپ کے احباب کا دائرہ وسیع ہوگا، آپ کی زندگی سے برائیوں کا خاتمہ ہوگا، آپ چین وسکون سے زندگی گزارنے لگیں گے، غیبت اور چغلی جیسی خرابیوں سے بچے رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

یہ باتیں اچھے دوست سے متعلق تھیں۔ دوسری طرف برا ساتھی ہے جو ہر لحاظ سے اپنے ہم نشیں کے لئے سراپا مضر اور بالکلیہ نقصان دہ ہے۔ برے ساتھی کی نحوست اپنے رفیق اور ہم نشیں کے لئے دنیا ہی نہیں آخرت میں بھی متعدی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایسے انسان کی ندامت وحسرت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ اپنے ہم نشیں کی ضلالت وگمراہی کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہو گیا ہو: ''وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلاً لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ''(سورة الفرقان: ۲۷-۲۹) یعنی جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش! میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا، ہائے شامت کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ برے دوست کی نحوست کس قدر سنگین اور دین ودنیا کے لئے نقصان دہ ہے کہ انسان بروز قیامت اس دوستی پر پچھتائے گا ہی نہیں بلکہ ندامت وشرمندگی کے آنسو بھی بہائے گا لیکن اب یہ حسرت وندامت کسی بھی طرح سے کارآمد نہیں ہونے والی۔

یہی وجہ ہے کہ شاعر نے برے ساتھی کی ہم نشینی اور بد کی صحبت سے متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے:

بد کی صحبت میں مت بیٹھو، بد کا ہے انجام برا
بد نہ بنے تو بد کہلائے، بد اچھا بدنام برا

یہی نہیں، ہر وہ دوستی جو دنیاداری، مفاد پرستی، ذاتی منفعت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر بنی ہوگی اور اس کا انحصار للّٰہیت، اخلاص، دیانت داری اور دینی لگاؤ پر نہیں ہوگا تو پھر یہ دوستی قیامت کے روز دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ قرآن پاک نے اسی حقیقت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے: ''اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ''(الزخرف: ٦٧)

برے انسان کی صحبت چونکہ باہمی خیرخواہی، مناصحت ومناصرت اور آپسی تعاون جیسے جذبے سے عاری ہوتی ہے اور ایسے انسان کی صحبت دین وایمان سے دوری کا سبب بنتی ہے، اس لئے یہ دوستی قیامت کے روز دشمنی میں تبدیل ہوجائے گی اور برے دوستوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے اور اپنا سب کچھ لٹانے والے لوگ خواہش ظاہر کریں گے کہ ایسے برے رفقاء کو جنہوں نے انہیں دنیاداری میں ڈھکیل دیا، دین اسلام سے دور کردیا، شراب نوشی اور جوابازی کا عادی بنادیا، حرام خوری کا خوگر بنادیا، ایسے بدقماشوں کوان کے حوالے کیا جائے تاکہ انہیں پاؤں تلے روندکران سے برائت کا اظہار کریں اور انہیں اسافل واراذل کے زمرے ہی میں گردانیں۔ قرآن پاک نے اسی چیز کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے: ”وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ“(فصلت/29)

غوروفکر کا مقام ہے کہ ہم اپنی ہم نشینی کے لئے جس انسان کو چنتے ہیں، اس کے تعلق سے ہماری ادنی سی غفلت ہمیں کتنی برائیوں اور خرابیوں میں ملوث کردیتی ہے کہ ہم اس کا وبال اس دنیاوی زندگی میں بھی بھگتتے ہیں اور اخروی زندگی میں ہمارے لئے اس ہم نشینی کی نحوست منہ پھیلائے کھڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ ہم جس شخص کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، اس کے تعلق سے ہم جانچ پڑتال کرلیں کہ ایسا تو نہیں کہ اس کی رفاقت ہمارے لئے دین وایمان، اخلاق وکردار، افعال وعادات، قول وقرار اور چال چلن میں کسی طرح سے شریعت اسلامیہ سے دوری کا سبب بن رہی ہے تو ایسی دوستی کو خیرآباد کہہ کر ہمیں ایسے انسان سے دور رہنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہئے۔ اگر ہم نے اس کی اصلاح کرلی تو یہ عمل بھی ہمارے لئے ایک صدقہ جاریہ ثابت ہوگا لیکن اگر کوئی دوستی ہمارے لئے کچھ سیکھنے، اسلام سے قریب کرنے، اعمال صالحہ کی ترغیب دینے، منہیات ومحرمات سے اجتناب کرنے اور دنیاداری سے بےزار ہونے کا سبب بنتی ہے تو پھر ایسی دوستی کی قدر کرنی چاہئے اور ہمیشہ ایسے دوست کو حرز جاں سمجھنا چاہئے تاکہ ہمیں کسی نیک انسان کی رفاقت کے طفیل اور اس کی ہم نشینی کے فیض سے نیکیوں کو انجام دینے کی توفیق ملے۔ کیونکہ:

صحبت صالح ترا صالح کند
وصحبت طالح ترا طالح کند

☆☆☆


۱۔**جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد، لڑکیوں کی دینی وعصری، اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ، اردو/عربی میڈیم

مسلمہ حکومت تلنگانہ

**شعبہ جات:** (1)حفظ وناظرہ (2).L.K.G تا X مع متوسطہ وعالمیت (3) مختصر عالمیت (تین سالہ) دسویں پاس/فیل طالبات کے لئے (4) فضیلت (دوسالہ) داخلہ، تعلیم، قیام وطعام مفت (5) تدریب المعلمات والداعیات والمفتیات (ایک سالہ) برائے فاضلات، تعلیم، قیام وطعام مفت، ماہانہ اسکالرشپ

**نوٹ:** طالبات جامعہ سند عالمیت سے اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے .B.A میں اور سند فضیلت سے .M.A میں براہ راست داخلہ کے مجاز ہیں۔

فون نمبرات: 9963635354/8008492052/9346823387/7416536037

(2) **جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد، لڑکیوں کی عصری اسلامی، اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ، انگلش میڈیم

مسلمہ حکومت تلنگانہ

**شعبہ جات:** .L.K.G تا x **مع اسلامک اسٹڈیز** فون نمبرات: 8074001169/9177550406

(3) **جامعة الفلاح** شریف نگر، حیدرآباد لڑکیوں کی دینی وعصری، اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ، اردو/عربی میڈیم

**شعبہ جات:** (1) حفظ وناظرہ مع انگلش، سائنس، تلگو وحساب (2) مختصر عالمیت (تین سالہ) مع کمپیوٹر کورس برائے SSC طلبہ (3) فضیلت (دوسالہ) تعلیم قیام وطعام مفت، مع ماہانہ اسکالرشپ

**نوٹ:** طلبہ جامعہ سند عالمیت سے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے B.A میں براہ راست داخلہ کے مجاز ہیں۔ فون نمبر: 9133428476/9502089170

(4) **فلاح انٹرنیشنل اسکول** شریف نگر، حیدرآباد، لڑکوں کی عصری واسلامی، اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ، انگلش میڈیم

مسلمہ حکومت تلنگانہ

**شعبہ جات:** Nursery تا x **مع حفظ یا عالمیت** فون نمبر: 9505872810/9133428476

(5) **مرکز الأیتام** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد یتیم لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اسکول وہاسٹل۔ انگلش میڈیم۔ جن لڑکے و لڑکیوں کی عمر 10 سال سے کم ہو اور والد یا والدہ کا انتقال ہوگیا ہو ان کے لئے تعلیم، قیام وطعام، کتب اور یونیفارم کے ساتھ طبی سہولیات کا مکمل انتظام ہے، جس میں سال بھر داخلے جاری ہیں۔

مسلمہ حکومت تلنگانہ

**شعبہ جات** (1) **حفظ وناظرہ** (2).L.K.G تا x **مع دینیات** فون نمبرات: 9000002154/8008492052

**المعلن:** شریف محمد بن غالب الیمانی الاشراف، رئیس الجامعات

عبدالولی عبدالقوی، سعودی عرب

# ملکۂ عفاف

## ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کی ایک جھلک

**(۶) عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا نقشہ:**

عائشہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں رخصت ہوکر آئی تھیں وہ کوئی بلند اور عالیشان عمارت نہ تھی (مگر عزت وشرف اور قدر ومنزلت میں اس کا کوئی ثانی بھی نہ تھا اور نہ ہوا) بلکہ بنونجار کے محلّہ میں مسجد نبوی کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے انھیں میں سے ایک حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسکن تھا، حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیواریں مٹی کی تھیں اور کھجور کی ٹہنیوں اور پتیوں سے مسقّف تھا، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا، دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا جو مسجد نبوی کے اندر کھلتا تھا گویا مسجد نبوی حجرہ کا صحن بن گئی تھی، حجرہ سے متصل ایک بالا خانہ تھا جسے مشربہ کہتے تھے۔(دیکھئے: قصر الامل لابن ابی الدنیا ص۱۶۲ لبدایۃ و النہایۃ لابن کثیر۴/ ۵۴۵)

مختلف روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ گھر کی کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی، چھال بھرا ایک بستر، ایک تکیہ، آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کے لئے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی، اور گھر میں چراغ تک نہ تھے۔

فقر وفاقہ کا حال یہ تھا کہ مہینوں گھر میں چولہے نہیں جلتے تھے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھانجے عروہ سے ذکر کرتی ہیں، بھانجے! رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ حال تھا کہ دو دو مہینے گزر جاتے اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں کھانا پکانے کے لئے آگ نہیں جلتی تھی، میں نے پوچھا: خالہ! پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتی تھیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: صرف کھجور اور پانی پر، البتہ رسول اللہ ﷺ کے چند انصاری پڑوسی تھے جن کے پاس دودھ دینے والی بکریاں تھیں وہ رسول اللہ ﷺ کے یہاں بھی ان کا دودھ تحفہ کے طور پر پہنچا جایا کرتے تھے، آپ ﷺ اسے ہمیں بھی پلا دیا کرتے تھے۔ (بخاری ۲۵۶۷، مسلم ۲۹۷۲)

نیز عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے سیر ہوکر کھانا کھایا ہو۔(بخاری ۶۴۵۴، مسلم ۲۹۷۰)

یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں چند صاع جو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔(بخاری ۴۴۶۷)

لیکن اس مشقت کے باوجود صبر وشکر کے سوا کبھی حرف شکایت زبان پر نہ آتے تھے۔

**(۷) شوہر کی فرماں برداری اور خدمت گذاری:**

بیوی کی سب سے بڑی سعادت شوہر کی اطاعت اور اس کی فرماں برداری ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے نو برس کی طویل رفاقت میں کبھی بھی آپ کے کسی حکم کی مخالفت نہ کی، بلکہ اشاروں سے بھی کوئی بات ناگوار سمجھی تو اسے فوراً ترک کردی۔

گھر میں گرچہ خادمہ موجود تھی، لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں، آپ کی راحت کا پورا خیال رکھتی تھیں، آٹا خود پیستی تھیں، خود گوندھتی تھیں، کھانا خود پکاتی تھیں، بستر اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں، وضو کا پانی خود لاکر رکھتی تھیں، اونٹوں کے لئے قلادہ خود بٹتی تھیں، آپ ﷺ کے سر میں اپنے ہاتھ سے کنگھی کرتی تھیں، آپ کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتی تھیں، سوتے وقت مسواک اور پانی آپ ﷺ کے سرہانے رکھتی تھیں، مسواک کو صفائی کی غرض سے دھو دیا کرتی تھیں، گھر کی نظافت کا اہتمام خود کرتی تھیں۔(بخاری ۵۹۲۵، ۵۹۲۸، مسلم ۲۹۷، ۱۱۸۹، ابوداود ۵۲)

**(۸) عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبادت:**

عائشہ رضی اللہ عنہا ایک عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں، بکثرت نمازیں پڑھتیں، روزے رکھتیں اور مختلف النوع عبادات میں اپنے اوقات بسر کرتیں۔

قاسم بن عبدالرحمٰن اپنی پھوپھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جب میں امہات المؤمنین کے گھروں کی طرف جاتا تو سب سے پہلے اپنی پھوپھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملتا اور انھیں سلام کرتا، ایک روز ملنے کے لئے گیا تو انھیں نماز پڑھتے ہوئے پایا، وہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کررہی تھیں اور رو رہی تھیں ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (طور: ۲۷) (پس اللہ تعالی نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز وتند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا) میں نے کھڑے ہوکر انتظار کیا لیکن انتظار سے تھک گیا اور اپنی بعض ضرورت کے لئے بازار چلا گیا لوٹا تو دیکھا کہ وہ ابھی بھی نماز پڑھ رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔(حلیۃ الاولیاء ۲/ ۵۵، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ۲/ ۳۱، فتح الباری لابن رجب ۲/ ۲۶۵)

عبداللہ بن ابوموسی بیان کرتے ہیں کہ مجھے مدرک یا ابن مدرک نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ مسائل میں استفسار کے لئے بھیجا جب میں وہاں پہنچا تو وہ چاشت کی نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے کہا: میں انتظار کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوجائیں (لوگوں نے کہا: تمھیں لمبا انتظار کرنا پڑے گا اس لئے کہ وہ لمبا رکوع وسجدہ کرتی ہیں) (مسند احمد ۴۱/ ۴۲۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا نماز تراویح کا غایت درجہ اہتمام کرتی تھیں جب رمضان کا مہینہ آجاتا تو اپنے غلام ذکوان کو حکم دیتیں اور وہ انھیں قرآن کریم دیکھ کر نماز تراویح پڑھاتے۔(رواہ البخاری معلقا ۶۹۲، السنن الکبری للبیہقی ۳/ ۱۲۶، امام نووی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: الخلاصۃ ۱/ ۵۵۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا بکثرت روزے رکھتی تھیں، عبدالرحمن بن قاسم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایام ممنوعہ کے علاوہ پورے سال روزہ رکھتی تھیں یہاں تک کہ سخت گرمی اور پیاس کی شدت کے باوجود بھی روزہ نہیں چھوڑتی تھیں، ان کے بھائی عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ ایک بار عرفہ کے دن وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو دیکھا کہ انھیں پانی کے چھینٹے مارے جارہے ہیں، تو عبدالرحمن نے بہن سے کہا: روزہ توڑ دیجئے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں روزہ کیسے توڑ دوں جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے پچھلے ایک سال کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔(الطبقات الکبری لابن سعد ۸/ ۶۸، سیر اعلام النبلاء ۲/ ۱۸۷، مسند احمد ۶/ ۱۲۹، امام ذہبی نے کہا: اس کو ابن سعد نے روایت کیا ہے اور اس کے روای ثقہ ہیں)

**(۹) عائشہ رضی اللہ عنہا اور جود و سخا:**

عائشہ رضی اللہ عنہا اس قدر سخی اور فیاض تھیں کہ جو بھی مال ان کے پاس آتا اسے فقراء ومساکین میں تقسیم کردیتیں حتی کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ چھوڑتیں۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بار ایک لاکھ درہم بھیجا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت پورا کا پورا تقسیم کردیا اور اپنے لئے کچھ بھی نہ بچایا، لونڈی بریرہ نے کہا: آپ روزہ سے تھیں اگر ایک درہم کا گوشت منگالی ہوتیں تو کتنا اچھا تھا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر تم نے یاد دلایا ہوتا تو گوشت منگالی ہوتی۔

نیز عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک طرف عائشہ رضی اللہ عنہا کی قمیص میں پیوندکاری ہورہی تھی اور دوسری طرف وہ ستر ہزار درہم لے کر بیٹھی ہوئیں اللہ کی راہ میں فقراء ومساکین میں تقسیم کررہی تھیں۔(الطبقات الکبری لابن سعد ۸/ ۶۶-۶۷، حلیۃ الاولیاء ۲/ ۴۷، سیر اعلام النبلاء ۲/ ۱۸۷)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک گھر امیر معاویہ کو ایک لاکھ اسی ہزار میں فروخت کیا، جب مال ان کے پاس لایا گیا تو اپنی جگہ سے نہ اٹھیں یہاں تک کہ سارا مال غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردیا۔(الطبقات الکبری لابن سعد ۸/ ۱۶۵)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار ایک نئی قمیص پہنی جس پر ان کی نگاہ بار بار جارہی تھی، ان کے والد ابوبکر نے کہا: جب بندہ دنیا کی کسی زینت پر غرور کا شکار ہوجاتا ہے تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا اس کپڑے کو نکالا اور راہ الہی میں صدقہ کردیا۔(حلیۃ الاولیاء ۱/ ۴۷)

یہ چند مثالیں تھیں، ورنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پوری زندگی جود وسخا کی انمول مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما سے زیادہ سخی اور فیاض خاتون نہ دیکھا، دونوں کی سخاوت دو طرح کی تھی، عائشہ رضی اللہ عنہا مال اکٹھا کرتیں جب زیادہ ہوجاتا تو سب تقسیم کردیتیں اور اسماء رضی اللہ عنہا تو ان کے پاس جو بھی آتا فوراً تقسیم کردیتیں کل کے لئے کچھ باقی نہ رکھتیں۔(الادب المفرد للبخاری حدیث ۲۸۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ کی راہ میں مال کو لٹانے کے ساتھ رضائے الہی کے لئے غلاموں اور لونڈیوں کو اپنے پیسوں سے خرید کر آزاد کرتی تھیں، چنانچہ انھوں نے اپنی حیات مبارکہ میں ۶۷ غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔(سبل السلام للصنعانی ۴/ ۱۳۹)

**(۱۰) عائشہ رضی اللہ عنہا اور ستر و حجاب:**

عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوری زندگی ستر وحجاب اور حشمت و وقار کو لازم پکڑا، بے حجابی سے انھیں شدید نفرت تھی، بیان کرتی ہیں کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد میرے پاس ابوالقعیس کے بھائی افلح آئے، میں نے انھیں اندر آنے کی اجازت نہ دی، جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: افلح تمہارے رضاعی چچا ہیں، ان کے بھائی ابوالقعیس کی بیوی نے تمہیں دودھ پلایا ہے، انھیں آنے کی اجازت دو۔(بخاری ۴۷۹۶، مسلم ۱۴۴۵)

عائشہ رضی اللہ عنہا زندوں سے کیا فوت شدہ اشخاص تک سے پردہ کرتی تھیں، بیان کرتی ہیں: میں اپنے حجرہ میں جب تک اسمیں میرے شوہر اور والد دفن تھے عام کپڑوں میں آیا جایا کرتی تھیں، لیکن جب اس میں عمر رضی اللہ عنہ دفن کردئے گئے تو ان سے شرم وحیا کی وجہ سے میں پردہ کے ساتھ جاتی تھی۔(مسند احمد ۴۲/ ۴۴۰، مستدرک حاکم ۳/ ۶۳، امام ہیثمی رحمہ اللہ نے ''مجمع الزوائد ۸/ ۲۸'' میں کہا: یہ روایت صحیح، بخاری ومسلم کی شرط پر ہے)

**(۱۱) عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام:**

عائشہ رضی اللہ عنہا ایک عظیم علمی مقام کی حامل تھیں، رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور ان کی بلا کا ذہانت نے انھیں ایک یگانہ روزگار عالمہ بنادیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد وہ صحابہ کرام کے لئے ایک علمی سرچشمہ کی حیثیت رکھتی تھیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک بڑی تعداد میں احادیث روایت کیا ہے جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے، صحابہ کرام کو جب شریعت کا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب رجوع کرتے اور اس کا تشفی بخش جواب پاتے۔

جیسا کہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام کو جب بھی کسی

حدیث کے بارے میں اشتباہ ہوتا تو ہم عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس کے بارے میں تشفی بخش جواب پاتے۔(ترمذی ۳۸۸۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح وضعیف الترمذی ۳۸۳/۸، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء للذہبی ۴۵۴/۳)

قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب علم تھیں، اکابر صحابہ ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ۳۷۴/۲)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کتاب وسنت اور شعر وفرائض کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو علم رکھنے والا نہ دیکھا۔(الادب لابن ابی شیبہ ص ۳۶۵)

امام زہری رحمہ اللہ جو تابعین کے پیشوا تھے جن کو متعدد صحابہ کے تلمذ کا شرف حاصل تھا فرماتے ہیں: اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم اور ساری خواتین کا علم اکٹھا کیا جاتا، تو عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم زیادہ ہوجاتا۔(دیکھئے: السنۃ للخلال ۷۵۳، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۹۹، مستدرک حاکم ۱۲/۴)

امام ذہبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: میں امت محمدیہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ علم رکھنے والا رہا ہو۔(دیکھئے: سیر اعلام النبلاء للذہبی ۱۴۰/۲)

ایک شخص نے مسروق تابعی سے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد تھے، پوچھا: کیا عائشہ رضی اللہ عنہا بحسن خوبی فرائض کا علم رکھتی تھیں؟ تو مسروق رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کی قسم: میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسائل دریافت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی ۱۸۱/۲۳، الطبقات الکبری لابن سعد ۲۸۶/۲، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۵۶/۱)

اسی علمی قدر ومنزلت کی وجہ سے صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور مرد وخواتین عراق، شام اور جزیرۃ عربیہ کے مختلف خطوں سے جوق در جوق آئے اور اس آب زلال سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔

**(۱۲) واقعہ افک:**

عائشہ رضی اللہ عنہا خیر البشر محمد رسول اللہ ﷺ کی شفقتوں اور محبتوں کے سائے تلے ایک سعادت منداز دواجی زندگی بسر کر رہی تھیں کہ اتنے میں منافقوں نے ان پر ایک جھوٹی تہمت رچی (نعوذ باللہ) جس کے غم نے انھیں نڈھال کر کے رکھ دیا، ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان سن ۵ یا سن ۶ ہجری میں غزوہ بنوالمصطلق کے لئے روانگی کا ارادہ فرمایا، آپ ﷺ کا دستور تھا کہ سفر میں جاتے ہوئے ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے جس کا نام نکل آتا وہ ہم رکابی کے شرف سے ممتاز ہوتیں، اس غزوہ میں قرعہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا اور آپ ﷺ انھیں اپنے ہمراہ لے گئے، غزوے سے واپسی میں قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں، جب لوٹیں تو دیکھا کہ گلے میں وہ ہار نہیں ہے جو اپنی بہن اسماء سے عاریۃ مانگ کر پہننے کے لئے لے گئی تھیں، فوراً اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار غائب ہوا تھا، اسی دوران وہ لوگ آئے جو آپ کا ہودج اونٹ پر لادا کرتے تھے انھوں نے سمجھا کہ آپ ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں اس لئے اسے اونٹ پر لاد دیا اور انھیں ہودج کے ہلکے پن کا احساس اس لئے نہیں ہوا کہ اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا دبلی پتلی انتہائی ہلکی تھیں، نیز چونکہ ہودج کو کئی آدمیوں نے مل کر اٹھایا تھا اس لئے بھی انھیں اس کے ہلکے پن کا احساس نہ ہوا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا ہار ڈھونڈ کر جب قیام گاہ پر پہنچی تو پورا لشکر جا چکا تھا اور میدان بالکل خالی پڑا تھا، وہ اس خیال سے وہیں بیٹھ گئیں کہ رسول اللہ ﷺ جب انھیں یاد کریں گے تو پلٹ کر وہیں تلاش کرنے کے لئے آئیں گے، ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ وہیں سو گئیں، صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو ساقہ (ریر گارڈ) یعنی چھوٹے چھاٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے، صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہاں دیکھ کر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا، یہ آواز سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوگئیں، صفوان رضی اللہ عنہ نے انھیں اس لئے پہچان لیا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھیں دیکھا تھا، انھوں نے اونٹنی عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب بیٹھادی وہ اس پر سوار ہوگئیں، صفوان رضی اللہ عنہ نے انا للہ کے سوا زبان سے ایک لفظ نہ نکالا، چپ چاپ سواری کی مہار تھامی اور پیدل چلتے ہوئے لشکر میں آگئے، یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، اللہ کے دشمن خبیث عبداللہ بن ابی کو بھڑاس نکالنے کا ایک اور موقع مل گیا، چنانچہ اس کے دل میں نفاق اور حسد کی جو چنگاری سلگ رہی تھی، اس نے اس کرب پنہاں کو عیاں کیا یعنی بدکاری کی جھوٹی تہمت تراش کر واقعات کے تانے بانے بننا اور تہمت کے خاکے میں رنگ بھرنا شروع کر دیا، نیک دل مسلمانوں نے اس افواہ کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھا اور کہا: ''سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم'' اے اللہ تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا غزوہ سے واپسی کے بعد بیمار پڑ گئیں اور مسلسل ایک ماہ تک بیمار رہیں، انھیں اس تہمت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا، البتہ انھیں یہ بات کھٹکتی تھی کہ بیماری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو لطف وعنایت ہوا کرتی تھی اب وہ نظر نہیں آرہی تھی، بیماری ختم ہوئی تو وہ ایک رات ام مسطح کے ہمراہ قضائے حاجت کے لئے میدان میں گئیں، اتفاق سے ام مسطح اپنی چادر میں پھنس کر پھسل گئیں، اس پر انھوں نے اپنے بیٹے مسطح کو بددعا دی، عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٹوکا کہ ہائیں تم ایک بدری صحابی کو گالی دیتی ہو، اس پر مسطح کی ماں نے یہ بتلانے کے لئے واقعہ کہہ سنایا کہ مسطح بھی اس پروپیگنڈہ کے جرم میں شریک ہے، سنتے ہی پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، واپس آکر خبر کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ سے والدین

کے پاس جانے کی اجازت چاہی، اجازت پا کر والدین کے پاس تشریف لے گئیں، ماں سے پوچھا انھوں نے تسلی دی، اتنے میں ایک انصاریہ آ گئیں انھوں نے پوری داستان دہرائی، اب جب یقینی طور پر علم ہوگیا تو بے اختیار رونے لگیں، پھر دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گزر گیا اس دوران نہ تو انھیں نیند آئی اور نہ آنسو رکے، یہ محسوس کرتی تھیں کہ روتے روتے کلیجہ شق ہو جائے گا، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے کلمہ شہادت پر مشتمل خطبہ پڑھا اور اما بعد کہہ کر فرمایا: اے عائشہ! اگر تم بری ہو تو اللہ تعالی عنقریب تمہاری براءت ظاہر کردے گا اور اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے تو اللہ سے مغفرت مانگو اللہ قبول فرمائے گا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدین کو اشارہ کیا کہ آپ ﷺ کو جواب دیں، لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا، پھر ان الفاظ میں خود گویا ہوئیں: اگر میں اقرار کرلوں - حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں - تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا؟ اور اگر انکار کروں - حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں - تو لوگ کب باور کریں گے، میرا حال اس وقت یوسف علیہ السلام کے والد کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ (یوسف:۱۸)

صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔

یہ کہہ کر عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری طرف جا کر لیٹ گئیں، اب عالم غیب کی زبان گویا ہوئی، آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا اور گویا ہوئے، اے عائشہ! اللہ نے تمہاری براءت نازل فرمادی اور ان آیات کی تلاوت کی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاؤُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ............﴾ (نور:۱۰)

جن لوگوں نے یہ افترا باندھا ہے وہ تم ہی میں سے کچھ لوگ ہیں، تم اس کو برا نہ سمجھو بلکہ اس میں تمہاری بہتری تھی (کہ مومنین اور منافقین کی تمیز ہوگئی) ہر شخص کو اس کے حصہ کے مطابق گناہ اور جس کا اس میں بڑا حصہ تھا اس پر بڑا عذاب ہوگا......

اس پر (خوشی سے) ان کی ماں بولیں، عائشہ! حضور ﷺ کی جانب اٹھو اور ان کا شکریہ ادا کرو، عائشہ رضی اللہ عنہا نے نسوانی ناز و انداز کے ساتھ جواب دیا میں صرف اپنے رب کی شکر گزار ہوں کسی اور کی ممنون نہیں۔

اس کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو اسی اسی کوڑے مارے گئے البتہ خبیث عبداللہ بن ابی کی پیٹھ سزا سے بچی رہی حالانکہ تہمت تراشوں میں وہی سرفہرست تھا تاکہ اس کا اخروی عذاب مکمل رہے اس میں تخفیف نہ ہو۔

اس طرح ایک مہینہ کے بعد مدینہ کی فضا شک وشبہے اور قلق واضطراب کی بادلوں سے صاف ہوگئی اور عبداللہ بن ابی اس طرح رسوا ہوا کہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکا۔

(دیکھئے: بخاری ۳/۱۷۳، ۵/۸۶، ۵/۱۱۶، ۶/۷۶، ۹/۱۱۳، سیرۃ ابن ہشام ۲/۲۹۷-۳۰۵، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۳/۳۰۴-۳۰۹، الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ۲/۷۸-۸۱)

**(۱۳) نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی کرنے والے کا حکم:** صحابیات کی فہرست میں عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت جملہ امہات المؤمنین داخل ہیں، چنانچہ جن احادیث میں بھی صحابہ کو برا بھلا کہنے سے روکا گیا ہے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت جملہ امہات المؤمنین کو شامل ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”**لا تسبوا أصحابي فلو أن احدكم أنفق مثل احد ذهبا ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه**“ میرے صحابہ کو گالی مت دو، اگر تم میں کا کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے، پھر بھی ان کے ایک مد یا آدھا مد خرچ کئے کے برابر نہیں پہنچ سکتا ہے۔ (بخاری ۳۶۷۳، مسلم ۲۵۴۰)

چنانچہ کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی صحابی رسول یا نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت قرآن کریم میں نازل ہوچکی ہے، اب اگر اس کے بعد کوئی شخص ان کی بابت شک کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۷/۱۱۷)

امام ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہنے والا اللہ کو جھٹلانے والا ہے اور جو اللہ کو جھٹلائے وہ کافر ہے۔ (احکام القرآن لابن العربی ۳/۳۶۶)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کرنے والے کے کافر ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ (زاد المعاد ۱/۱۰۶)

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کی بابت شک کرنے والا کافر مرتد ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۳/۲۳۵)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ سورہ نور کی ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں جن میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان ہے، علماء کا اتفاق ہے کہ جو شخص نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہے یا ان پر الزام تراشی کرے تو وہ کافر ہے کیوں کہ وہ قرآن کریم کا دشمن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۲۸۷)

**(۱۴) رسول اللہ ﷺ کا انتقال:** ابھی عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

اٹھارہ سال کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے، ۲۹ صفر سن ۱۱ ہجری بروز دوشنبہ آپ ﷺ ایک جنازہ میں بقیع تشریف لے گئے، واپسی پر راستہ میں دردسر شروع ہوگیا اور حرارت اتنی تیز ہوگئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی، یہ آپ ﷺ کے مرض الموت کا آغاز تھا، آپ ﷺ کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی جارہی تھی، اس دوران آپ ﷺ ازواج مطہرات سے پوچھتے رہتے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں کل کہاں رہوں گا؟ اس سوال سے آپ ﷺ کا جو مقصود تھا ازواج مطہرات سمجھ گئیں، چنانچہ انھوں نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں، اس کے بعد آپ ﷺ فضل بن عباس اور علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہوگئے، پھر نزع کی حالت شروع ہوگئی، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں میری باری کے دن میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے وفات پائی۔

یہ واقعہ بارہ ربیع الاول سن ۱۱ ہجری یوم دوشنبہ چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۶۳ سال چار دن ہوچکی تھی۔ (بخاری ۴۴۵۱ مسلم ۲۴۴۳، رحمۃ للعالمین ۲۷۷ تا ۲۸۶، سیرۃ ابن ہشام ۲/۶۴۲، السیرۃ النبویۃ کما جاءت فی الأحادیث الصحیحۃ ۴/۲۸۴)

**(۱۵) عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد:** عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد تقریبا پچاس سال تک زندہ رہیں، لوگ آپ کے علم سے نفع اندوزی کرتے اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے، لوگ دور دراز سے آتے، آپ سے شریعت کے مسائل دریافت کرتے اور آپ ان کا جواب دیتیں، مسلمانوں کے مختلف فیہ مسائل کا بہترین حل تلاش کرتیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد تقریبا پچاس سال تک زندہ رہیں، انھوں نے آپ ﷺ سے شریعت کے بہت سارے احکام و مسائل یاد کئے، آپ ﷺ کے انتقال کے بعد لوگوں نے مائی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بکثرت شریعت کے احکام وآداب سیکھے اور انھیں لوگوں تک پہنچایا یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ چوتھائی احکام شریعت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں''۔ (فتح الباری ۷/۱۰۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

''چوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت کے آخری زمانہ دین کے مکمل ہونے تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہیں، چنانچہ آپ کے پاس علم وایمان کا وہ حصہ تھا جو نبوت کا ابتدائی زمانہ پانے والوں کے پاس نہ تھا، لہٰذا امت اوروں کے مقابل عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم سے خوب نفع اندوز ہوئی اور انھوں نے دوسروں کے مقابل کتاب وسنت کے علم کو خوب عام کیا''۔ (منہاج السنۃ النبویہ لابن تیمیہ ۴/۳۰۱)

جیسا کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں فتوے دیتی رہیں یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ۲/۳۵۷، تاریخ دمشق لابن عساکر ۴۹/۱۶۵)

**(۱۶) جنگ جمل اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت:** بروز جمعہ ۱۸/ ذی الحجہ سن ۳۵ ہجری کو عثمان رضی اللہ عنہ سبائی گروہ کے ہاتھوں شہید کردیے گئے، اب صحابہ کا اصرار تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا جائے کیوں کہ ان کے علاوہ کوئی اور اس منصب کے لائق نہیں ہے، لوگوں کے اصرار پر آپ نے بیعت قبول کرلی، آپ مسجد میں تشریف لائے، جسم پر چادر اور خز (بھیڑ کے اون کا بنا ہوا کپڑا) کا عمامہ تھا، منبر پر چڑھے، تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ ۲۴/ ذی الحجہ سن ۳۵ ہجری جمعہ کا دن تھا، پھر آپ نے خلافت کے بعد پہلا خطبہ دیا۔

جب علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت خلافت منعقد ہوگئی اور طلحہ وزبیر سمیت اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ نے بیعت کرلی، تو طلحہ وزبیر اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ قاتلین عثمان سے بدلہ لیا جائے اور ان پر شرعی حدود نافذ کئے جائیں، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا کہ یہ چند لوگ نہیں ہیں بلکہ ایک بڑی تعداد ہے اور انھیں بہت سے لوگوں کی پشت پناہی بھی حاصل ہے، اس لئے یہ کام اسی دن انجام دینا ممکن نہیں ہے بلکہ حالات کے سازگار ہونے تک انتظار مناسب ہے کیوں کہ معاملہ میں جلد بازی ایک بڑا فتنہ کھڑا کرنے کا موجب ہوسکتی ہے جو سابقہ فتنہ سے بھی شدید تر ہو۔

علی رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان کو ہمیشہ غلط کہا اور ان کے خون سے بری الذمہ ہونے کی بات کی، وہ حلفا کہا کرتے تھے کہ انھوں نے قتل کیا نہ ان کے قتل کا حکم دیا نہ وہ اس طرف کبھی مائل ہوئے اور نہ آج وہ شہادت عثمان پر راضی ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے شہادت عثمان کے حوالہ سے روایات بیان کرنے کے بعد کہا: ''اہل بدعت کا یہ دعوی کہ قاتلین عثمان کو علی رضی اللہ عنہ کی مدد حاصل تھی، سفید جھوٹ اور صریح بہتان ہے، متواتر روایات میں اس کے برعکس بیان موجود ہے''۔ (مستدرک حاکم ۳/۱۰۳)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ساری باتیں جھوٹ کا پلندہ ہیں اور ان کے خلاف بہتان طرازی کے سوا کچھ نہیں، علی رضی اللہ عنہ نہ تو شہادت عثمان میں شریک تھے نہ اس کا حکم دیا نہ وہ اس پر راضی تھے، خود وہ کہتے ہیں: اے اللہ! میں تیرے حضور خون عثمان سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ (منہاج السنۃ ۴/۴۰۶ البدایۃ والنہایۃ ۷/۲۰۲)

بعض امہات المؤمنین سبائی فتنہ سے اجتناب کرتے ہوئے مکہ مکرمہ حج کے لئے روانہ ہوگئیں تھیں اور شہادت عثمان کے بعد علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے طلحہ اور

زبیر رضی اللہ عنہما بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں ان سے ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی، مکہ میں ان کی یہ آمد ربیع الثانی سن ٣٦ ہجری شہادت عثمان کے تقریباً چار ماہ بعد ہوئی ابھی تک قاتلین عثمان کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہ ہوسکی تھی، ان دونوں کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے خروج کے لئے اہم بات چیت ہوئی، عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوچا کہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کی جو عزت وتوقیر ہے اس کے پیش نظر دونوں جماعتوں میں اصلاح کی غرض سے انھیں نکلنا چاہئے، چنانچہ وہ اللہ تعالی کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے نکلیں:

﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوْفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (النساء:١١٤) ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو صدقہ وخیرات یا نیک بات یا لوگوں میں اصلاح کا حکم کرے اور جو رضائے الہی کی خاطر ایسا کرے گا ہم اسے یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔

ان کا کہنا تھا کہ کہیں خون عثمان ضائع نہ ہو جائے کیوں کہ ان کے خون کے ضیاع میں اللہ کی قدرت وطاقت کی توہین ہے، اگر اس قسم کے واقعات بند نہ ہوئے تو کسی بھی خلیفہ یا امام کو مارا جاتا رہے گا، لوگوں کے اعصاب پر اس قسم کا دباؤ یہی تقاضا کر رہا تھا کہ عام لوگوں کو متحرک کیا جائے انھیں ان کی آرام گاہوں سے نکال کر باہر لا کھڑا کیا جائے تا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت مطالبہ مذکورہ پر مجتمع ہو جائے تو اس صورت میں امید ہے کہ فریق ثانی بھی اس کی طرف توجہ کرے گا اور باہم توافق وتفاہم کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

پھر باہمی مشورہ کے مطابق طلحہ وزبیر عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر بصرہ آئے کیوں کہ وہاں فسادیوں کی قوت وطاقت زیادہ نہ تھی، اس لئے وہ وہاں رہ کر اپنے منصوبہ پر عمل کر سکتے تھے، ان کی دھن بس ایک ہی تھی وہ خون عثمان کا مطالبہ، اصلاح احوال، فسادیوں کے بارے میں لوگوں کو باخبر کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

بصرہ جاتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر حوأب نامی چشمے سے ہوا، وہاں پر آپ نے اس خدشہ سے لوٹنے کا ارادہ کیا کہ کہیں معاملہ میں کوئی خرابی نہ ہو، جیسا کہ امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ نے روایت کیا کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا شب کی تاریکی میں بنو عامر کے چشموں پر پہنچیں تو کتے بھونکنے لگے، انھوں نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے، لوگوں نے بتلایا یہ حوأب نامی مقام ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں یہاں سے لوٹنا چاہتی ہوں، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کیا حال ہوگا جب تم میں سے کسی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے، تو زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ واپس کیوں جاتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کے ذریعہ اللہ لوگوں کے درمیان صلح کرادے۔

(مسند احمد ٦/٥٢، مستدرک حاکم ٣/ ١٢٩، مسند ابویعلی ٨/٢٨٢، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ١/ ٨٤٧)

عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ پہنچیں، آمد کی خبر سن کر قعقاع بن عمرو آئے، حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا اور پوچھا: اماں جان! آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ اور اس شہر میں آپ کی آمد کا سبب کیا ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے بیٹے! میں صرف لوگوں کے مابین اصلاح کی خاطر آئی ہوں۔ (الفتنۃ ووقعۃ الجمل سیف التمیمی ص١٤٥، تاریخ الطبری ٣/ ١٢٩، الکامل فی التاریخ ٢/ ٥٩١)

جب علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم اپنے رفقاء کے ہمراہ بصرہ چلے گئے ہیں تو وہ بھی اپنے ہم نواؤں کے ساتھ بصرہ پہنچے، دونوں جماعتیں اپنے اپنے مقام پر فروکش ہوئیں اور جانبین کے درمیان معتبر حضرات کے ذریعہ مصالحت کی کوششیں جاری ہوئیں، متعدد اکابرین نے سوء ظن رفع کرنے اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے کوششیں کیں، اس سلسلہ میں علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک بزرگ صحابی قعقاع بن عمر التیمی عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ہم نواؤں کے پاس تشریف لے گئے اور باہم مصالحانہ گفتگو کی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سب نے ان کی موافقت کی اور ان کی باتوں پر آمادگی کی ہاں بھری۔

اسی دوران عائشہ رضی اللہ عنہا نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہمارا یہاں آنا صلح کے لئے ہی ہے، چنانچہ ہر دو جانب کے لوگ اس صورت حال پر بہت مسرور ہوئے اور خیر وسلامتی کے ساتھ شب باشی کی، لیکن مفسدین اور قاتلین عثمان پوری رات شر عظیم کھڑا کرنے کی تدابیر میں منہمک رہے، کیوں کہ انھیں ڈر تھا کہ اگر دونوں گروہ متحد ہو گئے تو ہم سے جس طرح چاہیں گے دم عثمان کا بدلہ لے لیں گے، انھوں نے طے کیا کہ صبح صادق سے پہلے غلس میں کچھ لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم نواؤں کی قیام گاہ پر اور دوسرا گروہ علی رضی اللہ عنہ کی جماعت پر اچانک حملہ کر دیں اور یہ آواز لگائیں کہ فریق مخالف نے بدعہدی کرتے ہوئے ہم پر حملہ کر دیا ہے تا کہ دونوں گروہ میں پھوٹ پڑ جائے۔

مفسدین نے ایسا ہی کیا اب ہر دو فریق نے یہ سمجھا کہ ہم پر فریق مخالف نے بدعہدی کرتے ہوئے حملہ کر دیا، ہر ایک نے اپنا اپنا دفاع کیا لیکن اس ناگہانی صورت حال میں مفسدین کی سازش کی وجہ سے بے شمار مسلمان مقتول ہوئے، یہ الم ناک سانحہ ١٦/ جمادی الثانی سن ٣٦ ہجری بروز جمعہ بصرہ کے قریب ''زابوقہ'' نامی علاقہ میں پیش آیا۔

علی رضی اللہ عنہ کے منادی آواز لگاتے رہے، لوگو! رک جاؤ، لوگو! رک جاؤ، لیکن اس مشتعل جنگ میں کون سننے والا تھا، قاضی بصرہ کعب بن سور بھاگے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: چلیں شاید اللہ آپ کے ذریعہ لوگوں میں صلح کرادے، چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں بیٹھیں جسے زرہوں سے پردہ

کردیا گیا اور پرامید آگے بڑھیں کہ لوگ ان کے مقام ومرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی بات سنیں گے اور شعلہ زن جنگ بجھ جائے گی، وہ پکارتی رہیں، میرے بیٹو! اللہ سے ڈرو، یوم حساب کو ہرگز نہ بھولو، لڑائی سے رک جاؤ، لیکن یہ مقدس صدا بھی صدا بصحرا ثابت ہوئی، ہرممکن کوشش کے بعد بھی یہ جنگ نہ رکی، ظہر تک جاری رہی۔

علی رضی اللہ عنہ نے جب لاشوں کو دیکھا تو اپنے بیٹے حسن کی طرف متوجہ ہوئے، انھیں اپنے سینے سے لگایا اور رونے لگے، وہ فرمارہے تھے، میرے بیٹے! کاش تمہارے والد آج سے بیس برس پہلے وفات پاچکے ہوتے، حسن نے کہا: ابا جان! میں نے تو آپ کو پہلے ہی اس سے منع کیا تھا، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تو گمان بھی نہ تھا کہ معاملہ اس حد تک پہنچے گا، آج کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں، بھلا اب کس خیر کی امید رکھی جائے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۴۵۶)

جنگ کے اختتام پر علی رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے اور کہا: اللہ آپ کو معاف فرمائے، وہ کہنے لگیں، آپ کو بھی، میں تو فقط اصلاح کے ارادہ سے آئی ہوں۔ (شذرات الذہب فی أخبار من ذہب لابن العماد العکری ۱/ ۲۰۶)

اسی بنا پر عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس دن کو یاد کرتیں تو زاروقطار روتیں یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہوجاتا۔ (منہاج السنۃ النبویہ ۶/ ۲۰۸)

مذکورہ بالا تحریروں سے صاف واضح ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد امت کی اصلاح اور صلح صفائی کے علاوہ کچھ نہ تھا جو کچھ پیش آیا وہ سبائی گروپ کی دسیسہ کاریوں کا نتیجہ تھا جس کا عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔

جیسا کہ اس خط کے الفاظ سے بھی واضح ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن قیس الاشعری کے نام بھیجا تھا جس میں لکھا تھا: شہادت عثمان کا جو معاملہ ہوا اس سے تو آپ آگاہ ہی ہیں اور میں لوگوں کے درمیان اصلاح کی نیت سے نکلی ہوں...... (دیکھئے: الثقات لابن حبان ۲/ ۲۸۲)

یکم رجب سن ۳۶ ہجری بروز ہفتہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی محمد بن ابوبکر کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لئے عازم سفر ہوئیں، علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے ضروریات سفر، سواری، زادراہ وغیرہ کا انتظام کیا اور بطور اعزاز بصرہ کی بعض شرفاء خواتین کو ہم سفری کے لئے روانہ کیا، روانگی کے وقت علی رضی اللہ عنہ اور کئی ایک حضرات ام المؤمنین کو خیر باد کہنے کے لئے حاضر ہوئے، بلکہ علی رضی اللہ عنہ کئی میل ام المؤمنین کے ساتھ پیادہ چلے اور ان کو رخصت کیا، مکہ مکرمہ پہنچ کر عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں پر قیام پذیر رہیں یہاں تک کہ اس سال کا حج کرکے مدینہ واپس لوٹیں۔ رضی اللہ عنہم جمیعا۔ ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ ۷/ ۲۲۵-۲۴۶، شذرات الذہب فی أخبار من ذہب لابن العماد العکری ۱/ ۲۰۵-۲۰۶، تاریخ الطبری ۴/ ۵۰۸-۵۳۳، الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص ۱۰۷-۱۸۳، الکامل فی التاریخ ۲/ ۵۶۲-۶۲۶)

**(۱۷) عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال:**

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری زمانہ تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا چند روز کی علالت کے بعد اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئیں۔

مرض الموت کے عالم میں انھوں نے وصیت کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے، لہذا مجھے حجرہ مبارکہ میں دفن نہ کرنا بلکہ ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا، اس سے وہ واقعہ جمل کو مراد لیتی تھیں۔
(صحیح بخاری ۲/ ۱۰۳، الطبقات الکبری ۸/ ۷۴، مستدرک حاکم ۴/ ۷)

نیز انھوں نے وصیت کی کہ ان کے جنازہ کے ساتھ آگ نہ لے جائی جائے، لاش کے نیچے سرخ چادر نہ ڈالی جائے اور نماز جنازہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ پڑھائیں۔
(الطبقات الکبری ۸/ ۷۶، مصنف عبدالرزاق ۳/ ۵۲۵)

بیماری کی حالت میں جو بھی آتا اور آپ کے احوال پوچھتا آپ اس سے یہی کہتیں الحمدللہ ٹھیک ہوں، جو لوگ عیادت کو آتے بشارت دیتے فرماتیں: اے کاش میں کوئی اینٹ یا پتھر ہوتی۔ (الطبقات الکبری ۸/ ۷۵)

۱۷/ رمضان المبارک سن ۵۸ ہجری سہ شنبہ کی شب کو مدینہ منورہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا، اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال کی تھی، لوگوں کے آہ وبکا کا یہ عالم تھا کہ آوازیں سن کر مدینہ منورہ حتی کہ عوالی تک کے لوگ اکٹھا ہوگئے، چشم فلک نے ایسا درد انگیز منظر نہ دیکھا تھا۔

نماز جنازہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور نماز وتر کے بعد رات ہی میں دفن کردیا گیا، رات اس قدر تاریک تھی کہ لوگوں کو تیل میں کپڑے ڈال کر چراغ جلانے پڑے، آل ابوبکر میں سے پانچ لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا (۱) عروہ بن زبیر (۲) عبداللہ بن زبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابوبکر (۴) عبداللہ بن محمد بن ابوبکر (۵) عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم جمیعا اور حسب وصیت جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

دیکھئے: الطبقات الکبری لابن سعد ۸/ ۷۷، تاریخ ابن ابی خیثمہ ۲/ ۵۸، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبدالبر ۴/ ۱۸۸۵، أسد الغابۃ لابن الاثیر ۷/ ۱۸۶، المنتظم فی تاریخ الملوک و الأمم لابن الجوزی ۵/ ۳۰۳، تاریخ الاسلام للذہبی ۴/ ۲۴۹، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱۱/ ۳۴۲)

اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ وہ مغربی تہذیب وتمدن کی دلدادہ خواتین اسلام کو امہات المؤمنین کی سیرت کو اسوہ اور نمونہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے، انھیں صراط مستقیم پر گامزن کرے اور عریانیت اور بے راہ روی سے بچنے کی توفیق بخشے اور اس تحریر کو ان کے لئے مشعل راہ بنائے۔ آمین

الحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات، و صلى الله على نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين ☆☆

فیضان اشرف مئوناتھ بھنجن یوپی
8953272943

# استاذ محترم حافظ قاری مولانا عبداللہ فیضی کا سانحۂ اِرتحال

برصغیر ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں لاتعداد مدارس قائم ہیں اوران مدارس سے لاتعداد علماء فضلاء حفاظ اور قرّاء پیدا ہورہے ہیں اور کتاب وسنت کی آبیاری میں مشغول ہیں، کہیں کسی کے درس وتدریس میں مہارت کا ڈنکا بج رہا ہے کہیں وعظ وتذکیر کی محفلیں جمی ہوئی ہیں اور کہیں کسی کے تصنیف وتالیف کے ہنگامے جاری ہیں گویا کہ ہر کوئی علوم دینیہ حاصل کرنے کے بعد اس کی تبلیغ واشاعت میں مشغول ومصروف ہے اور حق تعالیٰ نے جس کو جتنی زندگی دی ہے وہ اسے خدمت دین میں لگا رہا ہے اور اپنی محدود زندگی گزار کر اس دار فانی سے کوچ کررہا ہے اب تک میں نے جن اساتذۂ کرام سے کسب فیض کیا ہے ان میں سے ۱۰/اساتذہ اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں:

۱۔حافظ وقاری بشیر، مئو (۲۰۰۳ء) ۲۔ماسٹر اقبال جاوید، مئو (۲۰۱۱ء) ۳۔مولانا شمس البشر فیضی، مئو (۲۰۱۴ء) ۴۔مولانا اشفاق احمد مدنی، سدھارتھ نگر (۲۰۱۴ء) ۵۔قاری عزیز اللہ مظاہری، مئو (۲۰۱۴ء) ۶۔علامہ رئیس الاحرار ندوی، بھٹیا سدھارتھ نگر، یوپی (۲۰۰۹ء) ۷۔ڈاکٹر حافظ مقتدیٰ حسن ازہری، مئو (۲۰۰۹ء) ۸۔مولانا محمد حنیف فیضی مدنی، مغربی چمپارن ۹۔مولانا عبدالسلام مدنی، ٹکریا، سدھارتھ نگر، یوپی (۲۰۱۸ء) ۱۰۔حافظ قاری مولانا محفوظ الرحمٰن مفتاحی، مئو (۲۰۱۴ء)

اول الذکر پانچ اساتذہ کرام جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے اور موخرالذکر چار اساتذہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے اور ایک جامعہ مفتاح العلوم مئو کے استاذ تھے، اللہ تعالیٰ ان اساتذہ کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

سب سے زیادہ صدمہ اس وقت ہوا جب ایک خوش مزاج اور ہمیشہ خنداں وفرحاں رہنے والے استاذ صرف ۴۴ سال کی عمر میں موت کی آغوش میں چلے گئے اور اپنے متعلقین، احباب ورفقاء، اساتذہ، تلامذہ اور اعزہ واقارب کو غم واندوہ کے اتھاہ سمندر میں غرقاب چھوڑ گئے، مگر اس کو کیا کہیئے!! موت کا قانون ہمہ گیر ہے اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں اور حسب فرمان الٰہی تمام مخلوقات کو ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ ایک نہ ایک دن فنا ہوجانا ہے اور ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''ہر سانس گننے والے کو موت کا مزہ چکھنا ہے'' ؎

موت کے قانون کا پابند قانون حیات
موت کی زد میں بہر لحظہ ہے پوری کائنات

ہر چند کہ تقلید شخصی اسلامی روح کے منافی ہے مگر شخصیت فراموشی اور بڑوں کا احترام واکرام نہ کرنا اسلامی اقدار کی پامالی ہے، اس لئے علمائے دین اور صلحائے امت کا تذکرہ ضروری ہے تاکہ ان کے علم وعمل اور سیرت وکردار سے عبرت حاصل کرکے ہمیں سیدھی راہ پر چلنے توفیق حاصل ہو اور ہم بھی ملک وقوم میں رشد وہدایت کا کام کرسکیں اسی جذبہ نے راقم السطور کو مہمیز کیا کہ اپنے استاذ محترم کی حیات وخدمات کو حیطۂ تحریر میں لاکر اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ ''جانے والوں کا اچھے انداز میں تذکرہ کرو'' فرمان نبوی ﷺ کو عملی جامہ پہنائیں۔

اور ہمیں معلوم ہے کہ سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کے لئے انتہائی محنت، قلبی تعلق، والہانہ وابستگی اور معلومات کی فراوانی سب کچھ ضروری ہے صاحب تذکرہ سے عقیدت کے بغیر اس کا سوانحی خاکہ وجود میں نہیں آسکتا۔ چونکہ کہ استاذ محترم کا تعلق بنگال سے ہے اس لئے ان کے گھریلو حالات کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں ہے، چند یادداشت جو میں نے زمانہ طالب علمی میں حافظ صاحب سے حاصل کی تھی اسی کو مختصراً سپرد قرطاس کررہا ہوں، ع:

کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

**تاریخ ومقام پیدائش:** حافظ قاری مولانا عبداللہ فیضی رحمۃ اللہ علیہ صوبہ مغربی بنگال کے ایک مشہور ضلع مرشدآباد کے علاقہ راتوری (ڈائیں) میں ۲۵/مئی ۱۹۷۶ء کو پیدا ہوئے تھے، آپ کے والد کا نام عبدالستار اور دادا کا نام دوست محمد ہے، آپ کا آبائی پیشہ کھیتی باڑی ہے۔

**تعلیم وتربیت:** ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علم وادب کی سرزمین مئوناتھ بھنجن تشریف لائے سب سے پہلے مدرسہ دارلعلوم مئو کے شعبۂ تحفیظ القرآن میں داخلہ لے کر اپنے سینے کو کلام الٰہی سے معمور کیا، وہیں سے حدر وتجوید کی تعلیم حاصل کی، بعدازاں قرآن وحدیث، فقہ اور عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا اور وہیں سے عالمیت اور فضیلت کی تعلیم مکمل کرکے ۲۰۰۱ء میں فراغت حاصل کی اس کے معاً بعد جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ میں شعبۂ تحفیظ القرآن میں مدرس مقرر ہوگئے۔

درس نظامیہ کے علاوہ آپ نے عربی فارسی الہ آباد بورڈ سے منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل دینیات، فاضل ادب، فاضل طب اور فاضل معقولات کی ڈگریاں حاصل کیں۔

جامعہ محمدیہ مئو میں تدریس کے ایام میں ہی جامعہ مفتاح العلوم مئو کے بہت ہی معتبر استاذ حافظ وقاری، مولانا ومفتی محفوظ الرحمٰن مفتاحیؒ شاہی امام سے قرآت سبعہ کی تعلیم حاصل کی۔

**اساتذۂ کرام:** آپ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام کے جن مایہ ناز اساتذۂ کرام سے تعلیم وتربیت پائی تھی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن فیضی سابق شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ ۲۔حافظ قاری مولانا نثاراحمد فیضی ۳۔مولانا عبدالحمید فیضی ریاضی ۴۔مولانا عبدالغنی فیضی سلفی سابق شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ ۵۔مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم عالی مدنی ۶۔مولانا مظہرعلی فیضی مدنی شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ ۷۔مولانا شکیل احمد اثری مدنیؒ (م ۲۰۰۸ء) مولانا مولانا نسیم اختر فیضی ۸۔مولانا حمادالرحمٰن سلفی ریاضی ۹۔مولانا زین العابدین فیضی سلفی ۱۰۔مولانا ابوسعید فیضی ریاضی حفظہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

اللہ رب العالمین ان تمام اساتذہ کرام کا ہم پر تادیر سایہ قائم رکھے اور ان کے علم سے ہم سب کوزیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

**ہم سبق علماء:** آپ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں جن کے ساتھ کسب فیض کیا تھا ان میں سے مئوناتھ بھنجن کے علماء کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔مولانا جمیل احمد فیضی ۲۔مولانا ماسٹر جاید فیضی ۳۔مولانا محمد شعیب فیضی ۴۔مولانا شکیل احمد فیضی ۵۔مولانا فیاض احمد فیضی ۶۔مولانا مجاہد الاسلام فیضی بہار (متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) حفظہم اللہ۔

اول الذکر صرف دو ساتھیوں کو اپنے مادر علمی کا مدرس بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

ان کے علاوہ یوپی، بہار، بنگال کے کئی ایک مولانا آپ کے رفیق درس تھے جن کے بارے میں معلومات نہیں ہوسکی۔

**حافظ صاحب بحیثیت مدرس:** آپ کی خوش قسمتی تھی کہ جس سال فارغ ہوئے اسی سال آپ کو جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ مئو میں شعبۂ حفظ کا استاذ مقرر کردیا گیا، اس وقت سے لے کر وفات تک معہد زید بن ثابت لتحفیظ القرآن الکریم کے عمید کے فرائض انجام دیتے رہے، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم۔

جامعہ محمدیہ سے متصل مسجد پر ''معہد زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لِتَحْفِیْظِ الْقُرْآنِ الْکَرِیْم'' ہے اسی میں حافظ علیہ الرحمہ پڑھاتے تھے، اسی میں حافظ قاری مولانا ابوالفیض فیضی حفظہ اللہ بھی مدرس ہیں، دونوں آمنے سامنے بیٹھتے تھے اور ہم طلباء دونوں کے یمین وشمال حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے، دونوں اساتذہ پہلے تمام طلباء کے اسباق پہلے باری باری سنتے تھے پھر سبق پارہ اور پھر آموختہ سنتے تھے قرآن سنانے میں ہم لوگ بھولتے یا غلطی کرتے تو وہاں لال چپی لگواتے تھے تاکہ دوبارہ غلطی نہ ہو، اس کے علاوہ اپنے شاگردوں کو جہراً نفل نماز پڑھوا کر تراویح اور فرض نمازوں کی امامت کرنے کی عادت ڈالتے تھے اور یہ بات واضح رہے کہ حفظ قرآن کے لئے اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لئے دوہری محنت کی ضرورت پڑتی ہے، مَنْ جَدَّ وَجَدَ.

آموختہ سننے کے بعد حافظ صاحب شعبۂ عربی کے آخری جماعت کے طلبہ کو ایک گھنٹہ مشق قرأت کرانے چلے جاتے پھر واپس آکر تجوید کی کتاب پڑھاتے تھے۔

آپ ہی کی محنت کا نتیجہ تھا کہ میں نے آپ کو روزانہ ایک پاؤ سبق اور آدھا پارہ آموختہ سنا کر چھ مہینہ میں مکمل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرلی تھی۔

**تلامذہ:** آپ نے اپنے پیچھے شاگردوں کا ایک ہجوم چھوڑا ہے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف مئو کے ان طلباء کے اسمائے گرامی ذکر کردوں جو میرے ہم عصر تھے:

۱۔حافظ مولانا محمد عارف سلفی (داعی مہاراشٹرا) ۲۔حافظ انور جمال اثری ۳۔حافظ مولانا عباس نوشاد عالی (متعلم شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ) ۴۔حافظ قاری راشد جمال (متعلم جامعہ اسلامیہ دریاآباد) ۵۔حافظ محمد شعیب (سعودی عرب) ۶۔حافظ محمد آصف (قطر) ۷۔ حافظ اختر (کیرالا) ۸۔حافظ قاری محمد آصف (کیرالا) ۹۔حافظ محمد حماد ۱۰۔حافظ مولانا فیصل فیضی (حیدرآباد) ۱۱۔حافظ نغمہ خاتون وغیرہ۔

ان کے علاوہ بہار بنگال کے طلبہ کی کثیر تعداد ہے جن کے اسماء یاد نہیں ہیں۔

**امامت وخطابت:** حافظ صاحب نے فیض عام کے زمانۂ طالب علمی ہی سے امامت شروع کردی تھی مئو میں جامعہ فیض عام کے قریب عادل ہوٹل کے سامنے ''سبحانی مسجد'' میں پنج وقتہ پابندی سے امامت کرتے تھے جامعہ محمدیہ منسلک ہونے کے بعد کھیدوپورہ محمدیہ کی مسجد میں امامت کرتے تھے اس کے علاوہ حافظ ہونے کے بعد سے صرف پچھلے سال کو چھوڑ کر بلا ناغہ ہر سال تراویح کے فرائض چنئی اور کیرالا وغیرہ میں انجام دیتے رہے ہیں، آپ مئو کی مختلف مساجد میں گاہے بگاہے جمعہ کے خطبے بھی دیتے تھے ایک خطبہ، میں نے محمدیہ کی بڑی والی مسجد میں ''توکل'' کے موضوع پر سنا ہے خطاب کا انداز مؤثر اور ناصحانہ تھا۔ پہلے شہری جمعیت اہل حدیث کے ہفتہ واری پروگرام میں بھی شرکت کرتے تھے اور آپ کی تلاوت سے جلسے کا آغاز ہوتا تھا۔

**معمولات زندگی:** جیسا کی ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپ شعبۂ حفظ کے استاذ اور ہاسٹل کے نگراں تھے کلی طور پر شعبۂ حفظ کی ذمہ داری آپ ہی کے سر پر تھی، صبح سے دوپہر تک تو طلباء کے سینوں میں کلام الٰہی اتارنے میں مصروف رہتے اس کے علاوہ طلباء کے داخلے کی کارروائی کرنا، ہاسٹل کی ذمہ داری کماحقہٗ ادا کرنا، طلباء کے رہن سہن، آنے جانے اور نمازوں میں حاضری وغیرہ دیکھنا پھر گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے عصر بعد کھیدوپورہ سے پیدل چل کر مرزا ہادی پورہ جاتے اور گھریلو ضروریات کے سامان لے کر پھر پیدل ہی مغرب سے پہلے پہلے آنے کی کوشش کرتے تھے اس کے علاوہ مئو کے دوسرے اداروں میں سالانہ انعامی مسابقہ کے موقع پر بحیثیت حکم اور ممتحن بلائے جاتے تھے، آپ کے حسن اخلاق، پابند شریعت اور وجیہ شکل وصورت سے لوگ بے حد متاثر تھے اور لوگ آپ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، بیمار اور آسیب زدہ لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور دعا کراتے تھے اور ان کی دعا سے لوگوں کو بڑی راحت اور شفا ملتی تھی۔

**حافظ صاحب سے میرے روابط:** فضیلت کرنے کے بعد ۲۰۰۹ء میں، میں نے جامعہ محمدیہ میں داخلہ لیا تھا آپ نے میرا داخلہ خود اپنے ہی پاس لیا تھا اسی وقت سے بحیثیت استاذ شاگرد تعلق قائم رہا، فراغت کے بعد موبائل کے ذریعہ ہر ہفتہ علیک

سلیک رہتا تھا، اپنی چھٹیوں میں بالمصافحہ ملاقات کرنے کے لئے مدرسہ ضرور جایا کرتا تھا اور آپ فارغین طلباء کی اسناد پر مجھ سے نام، پتہ اور نتیجہ وغیرہ کتابت کرواتے تھے، ۲۰۱۰ء میں کل ہند مرکزی جمعیت اہل حدیث کے مسابقے میں شرکت کے لئے مدرسہ کی طرف سے مجھے بھیجا تھا، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات مئو کے سالانہ انعامی مسابقہ میں ہم دونوں حکم کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔

اس کے علاوہ ہم دونوں نے کیرالا کے مختلف اضلاع کالی کٹ، مالا پورم، کنُور، اور تلشیری وغیرہ میں تراویح پڑھائی ہے وہاں ملاقات کے وقت ایک ساتھ مارکیٹنگ کرتے، سمندر کا نظارہ کرتے اور وہاں کے طرح طرح کے کھان پان اور حالات پر تبصرہ کرتے تھے۔

**حافظ صاحب کی زندگی:** اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حافظ صاحب کا آبائی وطن بنگال ہے مولانا شمیم احمد انصاری عمری (شیخ الجامعہ محمدیہ مئو) کے بقول: ''حافظ صاحب بہت چھوٹے تھے تبھی مئو آئے تھے ایک غریب گھرانے کے فرد تھے مئو میں سبحانی مسجد پر امامت کرتے تھے وہیں سے آپ کی قرآت سن کر فراغت کے بعد ہم لوگ اپنے ادارے میں لائے تھے''

زمانۂ طالب علمی میں اور مدرس ہونے کے بعد شادی ہونے تک مدرسہ کے مطبخ ہی کے کھانے پر اکتفاء کرتے تھے زمانۂ طالب علمی میں ہاسٹل ہی میں رہتے تھے اور مدرس ہونے کے بعد بھی محمدیہ ہی کے ہاسٹل میں رہتے تھے جب مہمان خانہ بنا تو مہمان خانہ میں رہنے لگے شادی ہونے کے بعد جامعہ محمدیہ کی پرانی بلڈنگ جس میں اس وقت بچیوں کی تعلیم ہوتی ہے اپنی اہلیہ کے ساتھ رہنے لگے تھے جب آپ ۲۰۰۷ء میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اتر پردیش کی طرف سے آپ کو درجات عالیہ کا مدرس منظور کر لیا گیا اور سرکار سے ایڈ ملنے لگی تو آپ کی تنگی اور پریشانی دور ہوگئی اور محلّہ کھیدو پورہ سے متصل ایک وسیع زمین خرید کر بڑا مکان تعمیر کرایا جس میں آپ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہنے لگے اور گاہے بگاہے آپ کے والدین، بھائی بہن اور دیگر رشتہ دار آ کر رہتے تھے، اور سب کو عزت سے رکھتے تھے۔

آپ توسط اور اعتدال کو پسند فرماتے تھے بخالت اور اسراف دونوں سے گریز کرتے تھے کھانے پینے اور لباس میں بھی آپ معتدل رہتے تھے عموماً شلوار اور کرتا زیب تن کرتے تھے اور سفید گول ٹوپی پہنتے تھے جو نہ بہت اونچی ہوتی اور نہ بالکل سر سے چپکی، کپڑا نہ بہت معمولی ہوتا اور نہ بہت مہنگا کبھی کبھی مخمل کی جناح کیپ بھی پہنتے تھے جاڑے کے موسم میں گول اون کی ٹوپی صدری اور کبھی جیکٹ بھی پہنتے تھے، آپ کی داڑھی لمبی اور گھنی تھی جس میں گاہے گاہے کنگھی کرتے تھے اس کی خاطر جیب میں کنگھی رکھتے تھے اور عطر کی شیشی بھی رکھ کر استعمال کرتے تھے، حسن کردار کے ساتھ ساتھ حسن خلق بھی تھے مخاطب کی زبان میں گفتگو کرتے تھے اردو والوں کے ساتھ اردو بولتے اور بنگلہ والوں کے ساتھ بنگالی بولتے تھے۔

آپ کا قد درمیانہ چہرہ بالکل صاف شفاف، گندمی رنگ کا تھا بڑے بڑے بال اور داڑھی کافی لمبی، گھنی اور کالی تھی مدرسہ میں سب سے بڑی داڑھی آپ ہی کی تھی، چہرے سے نورانیت ٹپکتی تھی اور حدیث نبوی ﷺ ''وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ''، پر عمل کرتے ہوئے اپنا ہو یا غیر سب سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے، اور بات میں ادب و شائستگی ہوتی تھی۔

**بیماری اور وفات:** حافظ صاحب ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے تھے لیکن پچھلے سال سے بیماری لاحق ہوگئی تھی اور اس انتظار میں تھے کہ سالانہ امتحان کی تعطیل کلاس میں منظّم طریقے سے علاج کراؤں گا مگر تعطیل سے پہلے طبیعت بگڑنے لگی الٹرا ساؤنڈ ہوا جس میں یہ رپورٹ آئی کہ صرف ایک ہی کڈنی ہے دوسری مرتبہ الٹرا ساؤنڈ میں پھر یہی نتیجہ نکلا تیسیری مرتبہ الٹرا ساؤنڈ میں یہ نتیجہ نکلا کہ دوسری کڈنی ہے مگر بہت چھوٹی ہے ''اِنَّ اللّٰہَ علیٰ کلِّ شَئیٍ قَدِیْر''

اور ڈاکٹروں کے بقول ''۲۵ ہزار میں ایک کیس ایسا ہوتا ہے'' حافظ صاحب کی بڑی والی ہی کڈنی خراب ہوگئی تھی ڈایلسس کا سلسلہ بنارس میں چلتا تھا جب کچھ طبیعت ٹھیک ہو جاتی تو تدریسی خدمات انجام دینے لگتے ادھر مہینہ پہلے جب بیماری کی وجہ سے چلنے سے معذور ہو گئے تو اپنے شاگرد اور بہنوئی حافظ مولانا فیصل فیضی کو اپنی جگہ پڑھانے کے لئے عارضی طور پر متعین کر دیا تھا، جب سے بیماری کی خبر ملی تھی بذریعہ فون خیریت پوچھتا رہتا تھا اور چار مرتبہ آپ کے گھر جا کر خیر خیریت لیا، آخری ملاقات آپ کے گھر ۲۵/نومبر ۲۰۱۸ء کو اپنے ایک دوست اور ماموں زاد بھائی حافظ عارف سلمہٗ کی شادی کے موقع پر میں گیا تھا حافظ عارف کا گھر آپ کے پڑوس ہی میں ہے اسی دن آپ سے آخری ملاقات آپ کے گھر پر ہوئی تھی اس وقت بالکل نحیف ہو چکے تھے اٹھنے بیٹھنے سے بھی قاصر ہو چکے تھے اپنے بھائیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور بار بار مجھ سے صحت یابی کے لئے دعاؤں کی درخواست کر رہے تھے اور جب تک بیمار رہے جامعہ محمدیہ کے اساتذہ عیادت کے لئے ان کے گھر برابر جاتے رہے خیر خیریت لیتے تسلی دیتے، جو بنتا مشورہ دیتے اور صحت یابی کی دعائیں کرتے تے آخر وقت میں ایسی کیفیت ہوگئی تھی جو بیان کرنے سے باہر ہے، بالآخر ۱۱/دسمبر بروز منگل بعد صلاۃ مغرب جب میں نے اپنا واٹ شاپ کھولا تو ''حفاظ گروپ'' پر خبر ملی کی حافظ عبداللہ فیضی فاطمہ ہاسپٹل مئو میں انتقال کر گئے ہیں۔ اِنا للّٰہِ وانآ اِلَیْہِ رَاجِعُون

اگلے دن ۱۲/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ ایک بجکر دس منٹ پر قبرستان پچھم کھیدو پورہ مئو میں آپ ہی کے ہم سبق، شاگرد اور حقیقی بہنوئی حافظ قاری مولانا تفضّل حق فیضی کی امامت میں نماز جنازہ اور تدفین عمل میں لائی گئی جس میں مئو کے علماء طلباء اور خواص نے کافی تعداد میں شرکت کی۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حافظ صاحب اور مولانا تفضّل حق دونوں کی فراغت جامعہ فیض عام سے ایک ہی ساتھ ہوئی ہے فراغت کے بعد دونوں حضرات جامعہ محمدیہ آئے، حافظ صاحب بحیثیت استاذ اور مولانا تفضّل حق بحیثیت شاگرد حفظ

کرنے آئے تھے اور حافظ صاحب ہی کے پاس انہوں نے حفظ کیا تھا اور یہیں سے حافظ صاحب نے اپنی بہن سے رشتہ کی بات چلائی اور شادی بھی کر دی۔

استاذ محترم کے انتقال کے وقت میں لکھنؤ میں تھا جنازہ میں شرکت سے قاصر رہا لیکن میں اپنے استاذ محترم کے لئے ہمیشہ دعا کرتا رہوں گا۔

**اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَأَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَأَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَأَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذابِ النَّارِ**

**شادی اور اولاد:** حافظ صاحب کی شادی مغربی بنگال کے ضلع بیر بھوم میں محترم نجیب الرحمٰن صاحب کی دختر نیک اختر محترمہ منیرہ حقانی سے ہوئی جو اس وقت زیر تعلیم تھیں اور مئو آ کر ''کلیہ خدیجۃ الکبریٰ'' میں عالمیت کی تعلیم حاصل کی اللہ نے آپ کو ایک لڑکی رباب عبداللہ اور دولڑکے رشاد عبداللہ اور زیاد عبداللہ سے نوازا ہے جو باحیات ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیچاری بیوہ اور اس کے بچوں کی حفاظت فرمائے اور پرورش کا راستہ آسان کر دے، آمین۔

اس کے علاوہ حافظ صاحب نے اپنے پیچھے بزرگ والدین، چار بھائی: ۱۔کتاب الشیخ ۲۔مولانا ربیع الاسلام فیضی ۳۔مولانا عارف شیخ ۴۔مولانا شریف شیخ اور تین بہنوں کو چھوڑا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرما۔آمین

**اخلاق وکردار:** حافظ علیہ الرحمہ بلند اخلاق کے عالم دین تھے، عمدہ ترین عادات واطوار کے مالک تھے، تقویٰ شعار، نہایت متواضع اور ملنسار تھے علماء طلباء سے بدرجہ غایت محبت رکھتے اور سب کی مہمان نوازی کرتے تھے اور حدیث نبوی ﷺ: ''**وَتَقْرَأُ السَّلامَ عَلیٰ مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ**'' پر عمل کرتے ہوئے راستہ گزرتے تو سب سے سلام کرتے تھے، نرم کلام اور شیریں گفتار تھے چہرے پر ہمیشہ تبسم رہتا تھا زمانۂ طالب علمی میں طلباء کو تنبیہ کے دوران کبھی غلط الفاظ استعمال کرتے ہوئے میں نے نہیں سنا البتہ کبھی کبھی اسباق یاد نہ ہونے پر ڈسک سے پتلی چھڑی نکالتے تھے لیکن معمولی سزا دیتے تھے، آپ کے اندر خشیت الٰہی کا غلبہ تھا جس سال ہم لوگ فارغ ہوئے تھے نانا محترم مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ (سابق شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ عالیہ عربیہ مئو) نے محمدیہ کی دوسری منزل پر بڑے والے ہال میں جس میں ناظرہ قرآن والے بچے پڑھتے ہیں ہم فارغ ہونے والے طلباء کو تقریباً ایک گھنٹہ ''قرآن کی فضیلت اور حفاظ کا مقام ومرتبہ'' کے عنوان پر درس دیا تھا، اس درس کو سن کر حافظ صاحب رو پڑے تھے۔

ایک مرتبہ میں اور مولانا سفیان مدنی (شیخ الجامعہ اثریہ دارالحدیث مئو) کھیدو پورہ بندھ پر بات کر رہے تھے اسی دوران حافظ صاحب کا بھی گزر ہوا مولانا نے فوراً کہا: ''حافظ صاحب ہمارے علاقہ میں سب سے متقی آدمی ہیں''

آپ فرض نمازوں کے علاوہ سنن ونوافل کا بھی اہتمام کرتے تھے تہجد بھی پڑھتے تھے جیسا کہ مولانا عزیز الرحمٰن سلفی (استاذ جامعہ محمدیہ مئو) نے بتایا کہ: ''ایک مرتبہ رات میں سالانہ جلسہ اور تقسیم اسناد کے موقع پر حافظ صاحب کی ضرورت پڑی تلاش بسیار کے بعد مدرسہ کے اس کمرے میں جس میں پہلے رہتے تھے صلاۃ تہجد پڑھتے ہوئے ملے''

۲۷/نومبر ۲۰۱۸ء کو استاذ محترم قاری نثار احمد صاحب فیضی کی عیادت کے لئے ان کے گھر گیا تھا اور حافظ صاحب کی بیماری کا تذکرہ کیا تو استاذ محترم نے کہا کہ: ''ہاں عبداللہ تو میرا ہی شاگرد ہے زمانۂ طالب علمی ہی سے شریف بن کر رہا ہے اور بنگال کے طلباء کی یہ خوبی ہے کہ فراغت کے بعد داڑھی بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور وہاں کے لوگ ۴۰/سال بعد تہجد گزار بن جاتے ہیں، رات تین بجے مسجدوں میں آنا شروع ہو جاتے ہیں'' اللہ تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو بھی تہجد گزار بننے کی توفیق بخشے۔آمین

**آپ کی شفقت کا ایک واقعہ:** یہ بات حفظ کرنے والے ہر طالب علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن حفظ کرنے میں بڑی محنت درکار ہوتی ہے صبح سے دوپہر تک لگاتار بیٹھ کر یاد کرنے اور سنانے سے تھکاوٹ آ جاتی ہے اور بھوک ستانے لگتی ہے جب پڑھتے پڑھتے بھوک ستانے لگتی تو مئو کے ہم دو تین طلبہ چپکے سے اٹھ کر مطبخ میں جا کر باورچی سے کہتے کہ حافظ صاحب نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مطبخ سے کھانا کھا کے آؤ جب کئی مرتبہ ہو گیا اور کئی طلباء اس کام میں شرکت کرنے لگے تو بالآخر حافظ صاحب سے باورچی سوال کر بیٹھا اور ہم لوگ پکڑے گئے شیخ الجامعہ تک بات پہونچی شیخ الجامعہ نے ہم لوگوں کے مقامی طلباء ہونے اور مطبخ کا کھانا کھانے کی وجہ پوچھی؟ جب ہم لوگوں سے جواب بن نہ پڑا، تو حافظ صاحب نے بڑی شفقت سے فرمایا کھانا صرف بیرونی طلباء کے لئے بنتا ہے مقامی لوگوں کے لئے نہیں، لہٰذا آپ لوگ اب ایسا نہ کریں باہر کچھ کھا لیا کریں!! جب کئی سالوں بعد مجھے اس غلطی کا احساس ہوا تو ایک حساب سے مدرسہ میں پیسہ ادا کر دیا۔

**آخری بات:** موت ضرور آئے گی کسی بھی ذی روح کو اس سے چھٹکارا نہیں ہے، اسی طرح لوگوں میں کسی کو اس کا بات علم نہیں ہے کہ اس کی موت کب اور کہاں آئے گی اور نہ تو کوئی دوسرے کے بارے میں بتا سکتا ہے اگر کوئی بتانے کا دعویٰ کرے تو جھوٹا ہے، جانکنی کے وقت آدمی پر کیا گزرتی ہے کیسی تکلیفوں سے دوچار ہوتا ہے باہر سے اسے کوئی محسوس نہیں کر سکتا اور اس پریشانی کو ہر شخص کو جھیلنا ہے۔

لہٰذا آیئے ہم عہد کریں کہ اپنی باقی ماندہ زندگی کو نیک کاموں میں صرف کریں گے اور اس سے پہلے کہ ہمارا حساب لیا جائے ہم خود ہی اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے استاذ قرآن کے حافظ، قرآن کے قاری، قرآن کے خادم، قرآن وسنت کے عالم باعمل کی گناہوں کو معاف فرمائے، ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے، ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، ان کی تدریسی خدمات کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین، ثم آمین

**رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ** ☆☆

## مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

### محرم الحرام کا چاند نظر آ گیا

دہلی ۳۱/اگست ۲۰۱۹ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی سے جاری اخباری بیان کے مطابق آج مورخہ ۲۹/ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۳۱/اگست ۲۰۱۹ء بروز سنیچر مرکزی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی دہلی کی ایک اہم میٹنگ اہل حدیث منزل اردو بازار، جامع مسجد دہلی میں منعقد ہوئی اور ملک کے مختلف مقامات سے محرم الحرام کے چاند کی رویت کی مصدقہ و مستند خبر موصول ہونے کے پیش نظر مرکزی اہل حدیث رویت ہلال کمیٹی دہلی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل مورخہ یکم/ستمبر ۲۰۱۹ء، اتوار کو محرم الحرام ۱۴۴۱ھ کی پہلی تاریخ ہوگی۔ ان شاء اللہ

.........................

**صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے زیر نگرانی سیلاب زدگان میں ریلیف فنڈ کی تقسیم:**
مہاراشٹر کے دوضلعے سانگلی وکولہاپور سیلاب سے بے حد متاثر ہوئے ہیں الحمد للہ صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کی زیر نگرانی سیلاب زدگان میں ریلیف فنڈ واشیاء خردونوش کی تقسیم عمل میں آئی۔

جمعیت اہل حدیث پونا کی جانب سے چارٹن اناج، کپڑے، برقع، تین سواسکول بیگ وٹفن بیگ وغیرہ اور ایک بڑی رقم نقد تقسیم کی گئی، اس طرح ضلعی جمعیت اہل حدیث شولا پور کی جانب سے بھی ایک خطیر رقم نقد تقسیم کی گئی ہے۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر سیلاب زدگان کے حق میں دعا گو ہے کہ اللہ ہر مصیبت سے آپ کی حفاظت فرمائے۔ جزاکم اللہ خیرا (سرفراز احمد اثری، ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث، مہاراشٹر)

**صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب کے قائم مقام امیر جناب مشتاق احمد صدیقی کو صدمہ:** یہ خبر نہایت ہی غم وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب کے قائم مقام امیر جناب مشتاق احمد صدیقی کی منجھلی بہو (عزیز سیف الاسلام راجا کی اہلیہ) کا مورخہ ۲۹/اگست ۲۰۱۹ء کو انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے لغزشوں سے درگذر کرے جنت الفردوس کی مکین بنائے اور پسماندگان خصوصاً جناب مشتاق احمد صدیقی اور ان کے صاحبزادے عزیزم سیف الاسلام راجا اور نوزائیدہ بچہ جس کی چند دنوں پہلے ولادت ہوئی تھی اور اہل خانہ کو صبر وسلوان کی توفیق بخشے۔ واضح رہے کہ چند دن قبل جناب مشتاق صدیقی صاحب کے نواسے کا بھی انتقال ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ بچے کو والدین کے لئے اجر بنائے۔ آمین، (ادارہ)

**انتقال پر ملال:** یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے سنی گئی کہ مولانا عبدالودود عمری مدنی رحمہ اللہ کے جواں سال فرزند اور مولانا عبدالقدوس عمری صاحب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مدھیہ پردیش کے بھتیجے عزیزم عبداللہ کا مورخہ ۸/ستمبر ۲۰۱۹ء کو انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ عزیز کی مغفرت فرمائے۔ لغزشوں سے درگذر کرے۔ جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ اور پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین، تمام احباب ومتعلقین اور عامۃ المسلمین سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔ (ادارہ)

**انتقال پر ملال:** انتہائی غم وافسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ ہمارے قریبی چچا اور جناب نعیم احمد صاحب متولی مسجد اہل حدیث اندروالی کے چھوٹے بھائی جناب رضوان احمد بن عبدالوکیل جوکھن پور کا مورخہ ۲۸/جولائی ۲۰۱۹ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف بڑے ہی ملنسار اور خوش مزاج تھے طبیعت میں سادگی تھی۔ آپ برین ٹیومر جیسی خطرناک بیماری سے دوچار تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین، احباب جماعت وعامۃ المسلمین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (محمد ذہین، ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث بریلی)

(مرکزی جمعیت اهل حدیث هند کے امیر، ناظم عمومی، ناظم مالیات اور جمله ذمه داران و کارکنان نے مذکوره مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل اور پسماندگان سے اظهار تعزیت کیا هے)

☆☆☆